کامل خلافتِ نبوت سے عدولی، ملوکیتی ادوار پر جمہوری فارمیٹ کا قیاس؟

حامد کمال الدین

1

مقدمہ

فیس بک پر میرے نام آنے والا ایک مراسلہ (سرخ رنگ میں):

انتہائی قابل احترام شیخ حامد کمالدین صاحب حفظ اللہ سے رائے درکار ہے، عہد حاضر میں جمہوری راستے سے تبدیلی کی ضرورت کیوں ہے، اور اس کی وجوہات کیا ہیں، ہمارا اس پر نکتہ نظر کیا ہے۔

ہمارا نکتہ نظر:

محترم شیخ انتہائی ادب چند گزارشات کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، چونکہ آپ نے اپنے ایک مضمون میں فرمایا کہ ہمارے فقہا اپنے دور کے اعلیٰ ترین سوشل سائنٹسٹ تھے، آپ کے اس استدلال کا جواب خود آپ کے الفاظ کلام میں ہی موجود ہے، مطلب آپ نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارے فقہا قرآن وسنہ کے سیاسی احکامات کو کوئی ساکت وجامد شئے نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ "اپنے دور " کے بہترین سماجی ماہرین تھے، کہ انہوں نے اپنے دور کے بدلے ہوئے حالات کی دستیاب گنجائش کے مطابق اجتہاد کر کے مسلم امت کی موثر ترین اکائی "حکومت وریاست" سے تعامل کو نئے سرے سے ڈیفائن کیا۔

1۔ یہاں یہ امر بھی ضروری ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں کھلے عام ہر ایک کو سوال کرنے کی گنجائش خود حکمرانوں نے دے رکھی تھی، وہی گنجائش عہد بادشاہت میں سکیڑ دی گئی، اسکے بعد عباسی دور اور اسکے بعد کے ادوار جبر میں چونکہ فقہا یہ بات اچھی طرح جانتے تھے، کہ نا ہی ہم ان حکمرانوں سے کھلے عام جنگ کر سکتے ہیں، اور نا ہی کسی خفیہ تدبیر کے

ذریعے اتنی جمیعت دستیاب ہو سکتی کہ حکمران کو تبدیل کیا جا سکے، اتنی سکت ہی نہیں تھی، جس کی بنیاد پر وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے عمل سے دستیاب خیر بھی خانہ جنگی میں تبدیل ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں مزید فساد ہی پیدا ہونے کا امکان تھا، اس لیے انہوں نے سوشل سائنٹسٹ بن کر چیزوں کو مینیج کیا نئے اجتہادات کیے تاکہ ممکنہ خیر بھی ناجاتی رہے!

2۔ یاد رہے کہ اس دور میں سسٹم کی تبدیلی بغیر تلوار کے ممکن نہیں تھی، یہی صورتحال سیدنا یوسف کے ہاں بھی تھی سیدنا ابراھیم و موسی کی اپنے اپنے حکمران سے لڑ جھگڑ کر انقلاب لانے کے کام کی بجائے دونوں کو ہجرت کرنی پڑی، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جس سوسائٹی سے واسطہ پڑا وہاں بھی ہجرت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا، اور یہ عام انسانوں کا نہیں انبیاء تک کا معاملہ تھا، جنہیں براہ راست خدائی مدد حاصل رہتی تھی_

3۔ اب ہم نے بھی اپنے دور میں کہ پرانی منظم ریاستوں سے کئی صدیاں آگے بڑھ کر کہیں زیادہ منظم ہو چکا ہے، وہاں کسی مدینہ جیسی بستی بھی دستیاب ہو جانے کا امکان بھی موجود نہیں ہے، جو کسی بھی قوت کے لیے اسیسیبل نا ہو، نا ہی کوئی ینبع النخل جیسا علاقہ دستیاب ہے، جہاں چھپ کر مشرکین مکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جائے، جدید ریاستوں کے پاس فضائیہ جاسوسی کے جدید ترین ذرائع سب کچھ دستیاب ہیں، کیونکہ جدید دور میں دنیا کے اندر کوئی ایسی جگہ اور مقام نہیں مل سکتا کہ جہاں ہجرت کر کے کوئی نئی ریاست پیدا کی جا سکے، اور وہ دنیا کی نظروں سے اوجھل رہ کر اتنی زبردست ترقی کر جائے کہ دنیا کو برابر کی ٹکر دے کر شکست سے دوچار کر دے، افغانستان میں یہ امکان نائن الیون کے بعد ختم ہوتے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، صومالیہ میں یہی امکان دوبارہ 2006 میں اسلامک کورٹس کی صورت ایتھوپیا کی بظاہر کمزور ریاست کے ہاتھوں بھی ختم ہوتے دیکھا، داعش اور ٹی ٹی پی سب نے اپنے زمانے کی حرکیات سمجھے بغیر کسی کونے میں اسلامی ریاست بنانے کی کوششیں کر کے دکھا دیں نتیجہ صفر ہی نکلا_

سید مودودی اور ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے یہ نئی تبدیلی بہت پہلے دیکھ کر ہی اپنے زمانے کے مطابق اجتہاد کیا تھا کہ اب اس دور میں کسی پرانے دور کے کسی حد تک ممکنہ امکان کی وسعت بھی سکڑ چکی ہے، سیٹلائٹ کے ذریعے دنیا کی ہر جگہ دسترس میں پہنچ چکی ہے، دنیا کے کسی کونے یا سمندر میں ایسا کوئی جزیرہ تک بھی موجود نہیں، کہ جہاں کسی نہ کسی ریاست کا قبضہ نا ہو_

اسی لیے انہوں نے محسوس کیا کہ اگر ہم مغربی جمہوری نظام میں قابل عمل حد تک اپنی تہذیب و ثقافت و روایت کی حد تک تبدیلیاں پیدا کر کے اس سے ایک بہتر قابل عمل نظام کا ڈیزائن ناپیش کیا تو یہی جدید ریاستیں مزید مغربی تہذیب و

ثقافت کے شکنجے میں جکڑتی چلی جائیں گی،

اسی بات کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے اسی نظام کو اسلامی نظام سے انٹر کنیکٹ کر دیا اور اسکی ممکنہ مکمل تصویر سامنے پیش کر دی_

یہ گنجائش اگر ابن تیمیہ یا اس دور کے سلف کو دستیاب ہوتی تو وہ بھی یہی کام کر گزرتے، جیسے انہوں نے بقول آپ کے اپنے حکمرانوں کے ساتھ اس وقت کی گنجائش کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا تھا، کہ جس راستے سے بھی "خیر کا جتنا بھی امکان ممکن تھا" اسے "avail" کیا تاکہ دستیاب ممکنہ خیر بھی ہمارے سسٹم سے کٹے رہنے سے "ضل ضلالا بعیدا" تک نا چلی جائے_ اور یہ ہو بھی چکا ہے، جب ہمارے علماء نے تصویر اور میڈیا حرام کے فتوے لگائے، تو اس سنی ملک کے ابلاغ کی ساری اقلیم پر سوشلسٹ سیکولر اور روافض نے ڈیرے جما لیے، اور نتیجے میں ہم ہر اہم موقعے پر ہاتھ ملتے دکھائی دیتے ہیں_

سوال یہ ہے کہ بنو امیہ کا پورا ریاستی ڈیزائن رومی تھا، لیکن بہ امر مجبوری اسے اسلامی تسلیم کیا گیا، ایسے ہی عباسی ڈیزائن ساسانی تھا، لیکن تسلیم کیا گیا،

اب کچھ سوالات کی جسارت کر رہا ہوں، امید ہے کہ بھرپور رہنمائی فرمائیں گے!

کیا موجودہ دور میں ریاست میں تبدیلی کے دستیاب ٹول "جمہوریت" میں شامل ہو کر اسلام یا اسلامی نظام کے لیے کوشش کرنا منہج سلف یا قرآن وسنہ سے صریح بغاوت کہلائے گی؟

کیا بندوق کے رستے پر چلنے کے نتیجے میں جس طرح مسلم ممالک تباہ و برباد ہو گئے اور اسکے نتیجے میں ریاست کو میسر ارتقائی وسائل یا سٹرکچر پتھر کے زمانے میں چلا گیا،

وہ تدبیر درست ہے کہ، عوام کی بڑی اکثریت کو درست انداز میں ووٹ کے استعمال پر قائل کر کے اس سے پھر آگے بڑھا جانے کا طریقہ کار بالکل فاسد خیال کہلائے گا؟

سوال یہ ہے کہ اگر مسلم اکثریت کو ایک بڑی سطح پر تعلیم و تربیت کے ذریعے اپنے دینی سیاسی حقوق کی اہمیت دلوا کر اس کے نتیجے میں اگر ایک حکومت ہاتھ آ جائے گی تو، آئینی تبدیلیوں کے ذریعے اسے عین خلافت راشدہ کے ڈیزائن کے قریب ترین نظام سے کنیکٹ کرنے کا خیال ایک خیال غلط کہلا سکتا ہے_

جبکہ اس سارے عمل سے کٹے رہنے کی صورت میں کا نتیجہ لبرل اور سیکولرازم کو مسلسل ریاستی اقلیم پر پھن پھلا کر قابض رہ کر اپنے مطابق قانون وآئین سازی کا اختیار دے چکا ہے_

ایسے حالات میں کہ جب دستیاب ٹول کے علاوہ ہر تبدیلی کی مسلح کوشش ناکام ہو چکی ہے، ہم اس دستیاب گنجائش کو بھی مکمل رد کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر رہیں کہ کوئی مسیحا آئے گا، اور اتنے میں دوسری قوتیں ہمیں مزید پستی میں گراتی چلی جائیں؟

کیا اسلاف کو ٹھیک اسی طرح کے حالات پیش آتے تو وہ اپنے وقت اور حالات کی دستیابی گنجائش کے مطابق کوئی نئی تعبیر حرام سمجھتے، جسکا نتیجہ مزید گہرے شر کی صورت میں نکلتا؟

کیا کسی عہد کا فقیہ اپنے دور کی دستیاب گنجائش کے مطابق پوری دیانت داری سے اگر کوئی قابل عمل حل پیش کرے جس پر عمل کے نتیجے میں بتدریج اسلامی نظام کی جانب سفر شروع ہو جائے تو وہ حرام کے ضمرے میں شمار کیا جائے گا؟

جبکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب ترکی میں مسلسل کوشش کے ذریعے سے مزاحم قوتوں کو کسی حد تک نیوٹلائز کیا گیا ہے اور پستی سے بہتری کی جانب گنجائش نکلنی شروع ہو گئی ہے، ایسا کوئی بھی طریقہ کار ہمارے ہاں بالکل فاسد خیال کہلائے گا؟

امید ہے کہ اس ساری تمہید پر بہترین رہنمائی سے مستفید فرمائیں گے، اللہ پاک آپ کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے اور آپ ایسے ہی امت کی رہنمائی فرماتے رہیں گے_

اس پر میری گزارشات:

مراسلہ کے مجموعی مضمون سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ آپ کے ہر سوال میں جو ایک جواب بھی کسی قدر موجود ہے، عین میرا بھی وہی جواب سمجھیے۔ اس لحاظ سے تو میری بات یہیں ختم ہوتی ہے، بغیر کسی تحفظ کے۔ مراسلے کے کچھ نکات پر چند اضافے یا گرہیں کہہ لیجیے جو میں یہاں دوں گا، ابن تیمیہؒ سے ایک اصولی اقتباس دینے کے بعد:

وَقَدْ يَتَعَذَّرُ أَوْ يَتَعَسَّرُ عَلَى السَّالِكِ سُلُوكُ الطَّرِيقِ الْمَشْرُوعَةِ الْمَحْضَةِ إلَّا بِنَوْعِ مِنْ

الْمُحْدَثِ لِعَدَمِ الْقَائِمِ بِالطَّرِيقِ الْمَشْرُوعَةِ عِلْمًا وَعَمَلًا. فَإِذَا لَمْ يَحْصُلْ النُّورُ الصَّافِي بِأَنْ لَمْ يُوجَدْ إلَّا النُّورُ الَّذِي لَيْسَ بِصَافٍ. وَإِلَّا بَقِيَ الْإِنْسَانُ فِي الظُّلْمَةِ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَعِيبَ الرَّجُلُ وَيَنْهَى عَنْ نُورٍ فِيهِ ظُلْمَةٌ. إلَّا إذَا حَصَلَ نُورٌ لَا ظُلْمَةَ فِيهِ وَإِلَّا فَكَمْ مِمَّنْ عَدَلَ عَنْ ذَلِكَ يَخْرُجُ عَنْ النُّورِ بِالْكُلِّيَّةِ إذَا خَرَجَ غَيْرُهُ عَنْ ذَلِكَ؛ لِمَا رَآهُ فِي طُرُقِ النَّاسِ مِنْ الظُّلْمَةِ.وَإِنَّمَا قَرَّرْت هَذِهِ " الْقَاعِدَةَ " لِيُحْمَلَ ذَمُّ السَّلَفِ وَالْعُلَمَاءِ لِلشَّيْءِ عَلَى مَوْضِعِهِ وَيُعْرَفَ أَنَّ الْعُدُولَ عَنْ كَمَالِ خِلَافَةِ النُّبُوَّةِ الْمَأْمُورِ بِهِ شَرْعًا: تَارَةً يَكُونُ لِتَقْصِيرِ بِتَرْكِ الْحَسَنَاتِ عِلْمًا وَعَمَلًا وَتَارَةً بِعُدْوَانِ بِفِعْلِ السَّيِّئَاتِ عِلْمًا وَعَمَلًا وَكُلٌّ مِنْ الْأَمْرَيْنِ قَدْ يَكُونُ عَنْ غَلَبَةٍ وَقَدْ يَكُونُ مَعَ قُدْرَةٍ. " فَالْأَوَّلُ " قَدْ يَكُونُ لِعَجْزِ وَقُصُورٍ وَقَدْ يَكُونُ مَعَ قُدْرَةٍ وَإِمْكَانٍ. و " الثَّانِي ": قَدْ يَكُونُ مَعَ حَاجَةٍ وَضَرُورَةٍ وَقَدْ يَكُونُ مَعَ غِنًى وَسَعَةٍ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْ الْعَاجِزِ عَنْ كَمَالِ الْحَسَنَاتِ وَالْمُضْطَرِّ إلَى بَعْضِ السَّيِّئَاتِ مَعْذُورٌ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: {فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ} وَقَالَ: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} - فِي الْبَقَرَةِ وَالطَّلَاقِ - وَقَالَ: {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ} وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {إذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ} وَقَالَ سُبْحَانَهُ: {وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} وَقَالَ: {مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ} وَقَالَ: {يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ} وَقَالَ: {فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ} وَقَالَ: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ.وَهَذَا أَصْلٌ عَظِيمٌ: وَهُوَ: أَنْ تَعْرِفَ الْحَسَنَةَ فِي نَفْسِهَا عِلْمًا وَعَمَلًا سَوَاءٌ كَانَتْ وَاجِبَةً أَوْ مُسْتَحَبَّةً. وَتَعْرِفَ السَّيِّئَةَ فِي نَفْسِهَا عِلْمًا وَقَوْلًا وَعَمَلًا مَحْظُورَةً كَانَتْ أَوْ غَيْرَ مَحْظُورَةٍ - إنْ سُمِّيَتْ غَيْرَ الْمَحْظُورَةِ سَيِّئَةً - وَإِنَّ الدِّينَ تَحْصِيلُ الْحَسَنَاتِ وَالْمَصَالِحِ وَتَعْطِيلُ السَّيِّئَاتِ وَالْمَفَاسِدِ. وَإِنَّهُ كَثِيرًا مَا يَجْتَمِعُ فِي الْفِعْلِ الْوَاحِدِ أَوْ فِي الشَّخْصِ الْوَاحِدِ الْأَمْرَانِ فَالذَّمُّ وَالنَّهْيُ وَالْعِقَابُ قَدْ يَتَوَجَّهُ إلَى مَا تَضَمَّنَهُ أَحَدُهُمَا فَلَا يَعْقِلُ عَمَّا فِيهِ مِنْ النَّوْعِ الْآخَرِ كَمَا يَتَوَجَّهُ الْمَدْحُ وَالْأَمْرُ وَالثَّوَابُ إلَى مَا تَضَمَّنَهُ أَحَدُهُمَا فَلَا يَعْقِلُ عَمَّا فِيهِ مِنْ النَّوْعِ الْآخَرِ وَقَدْ يُمْدَحُ الرَّجُلُ بِتَرْكِ بَعْضِ السَّيِّئَاتِ الْبِدْعِيَّةِ والفجورية لَكِنْ قَدْ يُسْلَبُ مَعَ ذَلِكَ مَا حُمِدَ بِهِ غَيْرُهُ عَلَى فِعْلِ بَعْضِ الْحَسَنَاتِ السُّنِّيَّةِ الْبَرِّيَّةِ. فَهَذَا طَرِيقُ الْمُوَازَنَةِ وَالْمُعَادَلَةِ وَمَنْ سَلَكَهُ كَانَ قَائِمًا بِالْقِسْطِ الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ لَهُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ.

مجموع الفتاوى جـ10 صـ365

"سالک کے لیے کسی وقت یہ محال یا پھر دشوار ہوتا ہے کہ وہ ایک خالص مشروع راستہ چلے، اِلَّا یہ کہ ایک قسم کا محدَث (گھڑی گئی شے) بھی اس کے ساتھ ہو۔ اس کی وجہ، مشروع راستے کو علم یا عمل کی سطح پر قائم کرنے والا وہاں میسر نہ ہونا۔ سو جس وقت صاف روشنی دستیاب نہ ہو، اور ہو تو ایسی جو بالکل صاف نہیں، یوں کہ اگر اسے بھی نہ لے تو آدمی اندھیرے ہی میں پڑا رہے، وہاں یہ جائز نہ ہو گا کہ آدمی اس (کو اختیار کرنے) کی عیب جوئی کرے اور ایک ایسی روشنی سے ممانعت کرے جس میں کچھ ظلمت ہے۔ اِلَّا یہ کہ ایسی روشنی میسر ہو جس میں کوئی ظلمت نہیں۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اس سے گریز کرتے کرتے روشنی سے بالکلیہ محروم ہو گئے۔ اس لیے کہ ان کو لوگوں کے راستے میں کچھ ظلمت نظر آنے لگی تھی۔

اصل میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے تاکہ: سلف اور علماء نے اگر کہیں کوئی مذمت کی ہے تو اس کو اس کے صحیح محل پر محمول کیا جائے، اور یہ معلوم ہو کہ خلافتِ نبوت جس کے ہم شرعاً مامور ہیں، اس سے عدولی (ہٹنا) کسی وقت علم و عمل کی حسنات میں کوتاہی ہو جانے کے باعث ہو گا تو کسی وقت علم و عمل کی سیئات کے ارتکاب ایسی زیادتی کے باعث۔ اور یہ ہر دو امر کسی وقت آپ کی بے بسی سے ہو گا اور کسی وقت قدرت و امکان رکھتے ہوئے۔

پس یہ دو باتیں ہوئیں: پہلی یہ کہ: کسی وقت ایسا بے بسی اور نارسائی کے باعث ہوتا ہے تو کسی وقت قدرت اور امکان رکھتے ہوئے۔ دوسری یہ کہ: کسی وقت ایسا حاجت اور اضطرار کے تحت ہوتا ہے اور کسی وقت حالتِ استغناء میں اور وسعت رکھتے ہوئے۔

اب وہ شخص جو کامل حسنات کی تحصیل سے عاجز ہے، اور وہ شخص جو بعض سیئات کو اختیار کرنے کے معاملہ میں حالتِ اضطرار کا شکار ہے، تو یہ ہر دو معذور ہوئے۔ ان سب دلائل کی بنیاد پر: آیت {فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "اللہ کا تقویٰ کرو اپنی استطاعت بھر}، آیت: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا "اللہ نہیں مکلف کرتا کسی نفس کو مگر اس کی گنجائش بھر"}، آیت: {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا

وُسْعَهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ "اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، جبکہ ہم نہیں مکلف کرتے کسی نفس کو مگر اس کی گنجائش بھر، وہ ہیں جنت والے، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں"}، حدیث: {إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ "جب میں تمہیں کسی امر کا حکم دوں تو اسے بجا لاؤ اپنی استطاعت بھر"}، آیت: {وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ "اور نہیں رکھا اللہ نے تم پر دین میں کوئی حرج"}، آیت: {مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ "نہیں چاہتا اللہ کہ رکھے تم پر کوئی حرج"}، آیت: {يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ "اور اللہ تو چاہتا ہے تمہارے ساتھ آسانی، اور نہیں چاہتا تمہارے ساتھ تنگی"}، {فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ "پس جو ناچار ہو، نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں}، آیت: {وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ "اور نہیں کوئی گناہ تم پر جہاں تم سے چوک ہوئی"}۔

اب یہ ایک عظیم قاعدہ ہے۔ اور وہ یہ کہ نیکی کی تم کوئی نفسِ نشان دہی ہو، عقیدہ کا مسئلہ ہو یا عمل کا، اور خواہ وہ نیکی واجب کے درجے کی ہو یا مستحب کے درجے کی۔ پھر برائی کی تم کوئی نفسِ نشان دہی ہو، عقیدہ میں یا عمل میں، خواہ وہ حرام کے درجے کی ہو یا اس سے کم، حرام سے کم ہونے کی صورت میں اگر اس کو برائی کہا جا سکے۔ جبکہ دین ہے: حسنات اور مصالح کا حصول، اور سیئات اور مفاسد کی تعطیل۔ جبکہ بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی فعل کے اندر، یا ایک ہی شخص کے اندر، یہ دونوں امر (حسنۃ اور سیئۃ) بیک وقت پائے جا رہے ہوتے ہیں۔ تو یہاں؛ ایک بات کی مذمت اور ممانعت کرنے یا اسے گناہ قرار دینے کا تعلق ہو جائے گا اس (فعل یا شخص) میں پائے جانے والے ایک خاص پہلو سے، درحالیکہ اس میں پائے جانے والے دوسرے پہلو کو بھی نظرانداز نہ ہونے دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک بات کی ستائش اور تاکید کرنے یا اسے باعث ثواب قرار دینے کا تعلق ہو جائے گا اس (فعل یا شخص) میں پائے جانے والے ایک خاص پہلو سے، درحالیکہ اس میں پائے جانے والے دوسرے پہلو کو بھی نظرانداز بہر حال نہ ہونے دیا جائے گا۔ کسی وقت آدمی کی تعریف اس بات پر کی جائے گی کہ اس نے بدعات یا گناہوں پر مبنی سیئات سے اجتناب کیا ہے

درحالیکہ اسے اس تعریف کے قابل نہ سمجھا جارہا ہوگا جو کسی دوسرے آدمی کی نیک اعمال پر مبنی حسنات کی ادائیگی پر کرنا بنتی ہو۔

تو یہ ہوا موازنہ اور معادلہ کا طریقہ، جو آدمی اس پر چلا وہ اس قسط کو قائم کرنے والا ٹھہرے گا جس کے لیے اللہ نے کتاب اور میزان اتاری۔

ابن تیمیہ کا اقتباس ختم ہوا۔

اور اب مراسلہ نگار کی بات پر کچھ گرہیں، میری جانب سے:

2

جمہوری راستہ اختیار کرنے پر، دینداروں کے یہاں دو انتہائیں

کچھ شک نہیں، سیاسہ شرعیہ میں بہت مقامات پر آپ کو "اصل" سے نکلنا پڑتا ہے۔ اس سے انکار پر ہی ہمیشہ اڑے رہنا دین اور دنیا ہر دو دولت کھو دینے کا موجب ہو سکتا ہے۔ یہ ایک مبدأ principle ہے، جس پر مراسلہ نگار کی ذکر کردہ ہر ہر مثال میرے نزدیک حق ہے، خواہ وہ اسلامی تاریخ کے گزشتہ ادوار میں "اصل" سے کچھ عدول ہو جانے سے متعلق ہو، یا اُس مجوزہ چیز سے متعلق جسے دورِ حاضر کے حوالہ سے فاضل مراسلہ نگار نے "ابوالکلام آزاد اور ابوالاعلیٰ مودودی کا اجتہاد" قرار دیا ہے اور جس میں آزادؒ اور مودودیؒ اکیلے نہیں، بہت سے اہل علم کی تقریر اس پر موجود ہے... اس مؤخر الذکر "اجتہاد" کی فی الحال تفصیل میں جائے بغیر۔

اس میں اتنی سی بات کا اضافہ کر لیا جائے کہ "اصل" اور "خروج عن الاصل" کے مابین جو ایک فرق

ہوتا ہے...اس کا ادراک اور احساس رہنا آپ کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے۔اس اثاثے کی بقاء اسی ایک بات پر منحصر ہے کہ عاملینِ اسلام کے یہاں اٹھتے بیٹھتے اس کا ذکر ہو،اور پڑھنے سیکھنے والوں کا ٹھیک ٹھاک زور اسی "فرق" کی یاددہانی پر صرف کروار کھا جائے۔ سلامتی کا سب سامان سمجھیے اِسی میں پڑا ہوتا ہے۔ یہی، تربیت اور ذہن سازی میں آپ کے ہاں "معیار" قائم رہنے کی اصل کسوٹی۔اس سے ہاتھ چھوٹنا، یا اس پر گرفت ڈھیلی ہونا، آپ کو پورے کھیل سے آؤٹ کروادیتا ہے، جیسا کہ فی الوقت آپ دیکھ سکتے ہیں۔اس محاذ پر ناکام رہنا مجھ طالب علم کی نظر میں اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ عندالضرورۃ "خروج عن الأصل" سے انکار پر اڑے رہنا، یا اس سے بھی کہیں بڑھ کر ضرر رساں۔

پس یہاں دو انتہائیں ہوئیں: ایک تفریط۔ایک اِفراط۔ جبکہ ایک وسط، جو کہ حق ہے:

ایک انتہا: "اصل" سے "عدول" کے متعلق "ضرورات" کا اعتبار ہی نہ کرنا اور اپنے اس جمود سے جس کو آدمی اپنی کوتاہ نظری کے باعث "استقامت علی الحق" سمجھ رہا ہوتا ہے، مسلمانوں کے سب دین اور دنیا کا ستیاناس کر بیٹھنا، جو کہ آج بھی فضلاء کی ایک کثیر تعداد کا پسندیدہ مذہب ہے۔ "موازنۂ مصالح و مفاسد" ایسے ایک معلوم فقہی قاعدہ کا اس طبقہ کے ہاں مذاق تک اڑا لیا جاتا ہے۔سب سے آسان اور کم لاگت حق پرستی شاید یہی باور کی جاتی ہو! یا یوں کہیے، "امت" کے نقصان کی قیمت پر "اپنی" حق پرستی اور توکل علی اللہ کا ثبوت دینا۔ مختصراً، گوشۂ عافیت اختیار کرنے کا یہ دوسرا نام ہے۔

دوسری انتہا: "اصل" سے ایسا خروج، کہ "استثناء" ہی کا ہو رہنا۔ یہ ہمارے کیس کی آفیشل موت ہوتی ہے، اگرچہ لوگ ہمیں برسرِ عمل دیکھیں۔ "ضرورات" وغیرہ کا وہ پورا مبحث جو "کبھی" اس اجتہاد کی بنیاد بنا ہوگا ظاہر ہے اس کے ساتھ ہی دفن ہو چکا ہوتا ہے۔ سو "اجتہاد" ماننا بھی اس کو، اب ایک فارمیلٹی کہیے؛ کچھ

غیر معمولی اہتمام اس لفظ کار ہے تو شاید اس وجہ سے کہ زمانہ "اجتہاد" کا ہے! (ایک ایسا دور جہاں "اجتہاد" کا رُعب "نص" سے بڑھ کر ہے!)

مراسلہ نگار سے اصولی اتفاق کر آنے والے ایک شخص کے متعلق اندیشہ چونکہ پہلی انتہا کا شکار ہونے کا نہیں، بلکہ دوسری انتہا کی نذر ہو جانے کا ہے، لہٰذا اس پر مزید ابھی مجھے کچھ بات کرنی ہے، تھوڑا آگے چل کر۔

جبکہ وسط: اصل کو اصل اور استثناء کو استثناء ہی رکھنا۔ نظریاتی، وجدانی، تعلیمی، ابلاغی، ہر سطح پر۔ (جو کہ تحریکوں کی زندگی میں ٹھیک ٹھاک محنت کا ضرورت مند رہتا ہے)، تاکہ "اصل سے خروج" کے لیے "اضطرار" کا صحیح و شرعی معنیٰ ہی قلوب کے اندر پیوست رہے۔ آپ کو معلوم ہے دین کو اس کی حقیقت پر قائم رکھنا اور کوئی ایک انچ اس میں فرق اور تفرقہ نہ آنے دینا (أَنْ أَقِيْمُو الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ) قرآنی تعبیر "اقامتِ دین" کا معنیٰ دینے میں قوی تر ہے بنسبت دین کو نافذ کرنے وغیرہ ایسا معنیٰ دینے کے۔

نوٹ: "ضرورۃ" اور "اضطرار" ہمارے اِس پورے مبحث میں ایک ہی شے ہے۔

3

جمہوری پیکیج، "کمتر برائی"... یا "آئیڈیل"؟

مراسلہ نگار کی بات سے بطور مبدأ in principle اتفاق کرتے ہوئے بھی، یہ کہنے میں حرج نہیں کہ جس چیز کو آپ ماضی کا اجتہاد کہتے ہیں اور پھر جس چیز کو دورِ حاضر کا اجتہاد کہتے ہیں، دونوں میں کچھ نہایت اہم فرق بھی ہیں جو ملحوظ رہنا چاہییں:

ایک بڑا فرق یہ کہ ماضی میں "رومی یا ساسانی ڈیزائن" سے مسلمانوں کے ہاں اگر کچھ لیا گیا تو وہ ایک غالب کا مغلوب سے کچھ لینا تھا۔ جبکہ آج آپ جو لیں گے وہ مغلوب کا غالب سے کچھ لینا، جو اپنی نہاد میں اول الذکر سے بڑھ کر تباہ ناک ہوتا ہے۔ غالب مغلوب سے عموماً اپنی مرضی کی چیز لیتا اور اپنے پیراڈائم کی جکڑ میں لا کر اسے قبول کرتا ہے، گو اس کے باوجود معاملہ ہوشیار رہنے کا ہے۔ جبکہ مغلوب، الا ماشاء اللہ، غالب سے اُس کی مرضی کی شے ءلے گا، اصولاً نہیں تو عملاً۔ اُس کی کسی بات کو آپ کا مجتہد کتنی ہی ناں ناں کرے، قومی سطح پر وہ آپ کے بند توڑ کر آئے گی، یہاں تک کہ آپ کا پہلے سے پڑا بہت کچھ بہا لے جائے گی۔ گویا آپ کو لینے کے دینے پڑ گئے؛ ایک اجتہاد آگے کئی کئی اجتہادات کا متقاضی! اور یہ سلسلہ مشکل سے شاید کہیں تھمے۔ اغلب یہ کہ اُس کی جو شے ء آپ لینا چاہیں وہ تو آپ کو مشکل سے ملے البتہ جس شے ء سے آپ کو پرہیز ہو وہ آپ کے یہاں تھوک کے حساب سے بِکتی پھرے۔

اس کے باوجود میں یہ نہیں کہتا کہ دورِ مغلوبیت میں ہم غالب کا کچھ بھی لینے پر پابندی لگا دیں۔ کیونکہ یہ آپشن بھی بہر حال ہمارے پاس نہیں ہے۔ (غلامی فی الحقیقت کوئی چھوٹی لعنت نہیں، جہاں "نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں"۔ بس اس سے اللہ کی پناہ ہی مانگیں)۔ میں جو کہنا چاہتا ہوں، اس مقام پر وہ صرف دو باتیں ہیں:

پہلی: ماضی میں بیرون سے لی گئی ایک شے اور آج لی جانے والی ایک شے، اپنے اس مشترک وصف کے باوجود کہ ہر دو متبنّٰی adopted ہیں، اپنے تہذیبی عوامل، لینے اور دینے والے کی پوزیشن اور اپنے سماجی مضمرات کے لحاظ سے زمین آسمان کا فرق رکھیں گی۔ لہٰذا؛ میری نظر معاملہ کے صرف اس "مشترک" پہلو پر نہیں ہو گی کہ وہ ایک اجتہاد تھا تو یہ بھی ایک اجتہاد ہے (باوجود اس کے کہ دونوں کو میں اجتہاد ہی مانوں گا)، یا یہ کہ یہ باہر سے آئی ہے تو وہ بھی تو باہر سے آئی تھی (باوجود اس کے کہ ہر دو باہر سے ہی آئی ہیں)۔ بلکہ میری

نظر معاملہ کے اس تشویش ناک پہلو پر کہیں زیادہ مرکوز ہو گی کہ وہ چیز لیتے ہوئے میں اور میری قوم کہاں کھڑی تھی اور یہ چیز لیتے ہوئے میں اور میری قوم کہاں کھڑی ہے۔ یہاں؛ وہ یکساں نظر آنے والی چیزیں بے حد مختلف ہو جاتی ہیں۔ پس اِنہیں دیکھنے کی ایک نہیں دو جہتیں ہو گئیں: ایک پہلو سے ان کا یکساں ہونا اور اس لحاظ سے ان کا باہم قیاس ہو سکنا، جو اپنی جگہ ایک صحیح نظر ہے۔ جبکہ ایک دوسرے پہلو سے ان کا یکساں نہ ہونا، یوں ان کا ایک دوسرے پر مطلق قیاس ہونے والی چیزیں نہ رہنا؛ اور یہ بھی ایک صحیح نظر ہے۔ اب جب جہتیں ایک معاملے کو دیکھنے کی دو ہیں، تو کسی وقت ہمارے بیان میں اس کی ایک جہت آئے گی تو کسی وقت دوسری۔ نہ اس کا مذمت والا پہلو ہمارے یہاں موقوف ہو گا اور نہ اس کو ایک ناگزیر برائی کے طور پر قبول کرنے کا پہلو ہمارے بیان سے رُوپوش۔ اور یہاں...؛ ایک سطحی ذہن، خواہ وہ پیچھے مذکور پہلی انتہاء کا عکاس ہو یا دوسری انتہاء کا، ہم پر "تضاد" contradiction کی پھبتی کس دے گا کہ دیکھو کبھی یہ اِس طرف کو ہو جاتے اور کبھی اُس طرف کو! راہِ وسط کی یہ ہمیشہ مجبوری ہوتی ہے کہ وہ ہر دو طرف کے طعنے لے! "ایک طرف کو ہو لینا" اہلِ وسط کے ہاں انتہاء extreme کہلائے گا جبکہ اہلِ انتہاء کے ہاں معاملے کا اصل نبیڑا! اوپر ابن تیمیہؒ سے دیا جانے والا اقتباس اسی مسئلہ کی تاصیل کے لیے لایا گیا: ایک ہی عمل میں شریعت بیک وقت اپنے کچھ موجبات بھی رکھ سکتی ہے اور اپنے کچھ موانع بھی۔ طالب علم کو نظریں یہ دونوں ہی وہاں پر رکھنا ہوں گی: شریعت کا (1) ایک چیز کو برا جاننا بھی اور (2) اس سے بدتر چیز کو رد کرنے کے باب سے؛ اس کا اقتضاء کر رکھنا بھی۔

دوسری بات: وہ بنیادی جمعیت جسے میدان میں اتر کر اللہ کی مدد سے اس پوری صورتحال کی کایا پلٹنی ہے... اس کی تربیت میں وقت کی جاہلیت سے، جس میں جمہوریت بھی آتی ہے، ایک انکار اور اِباء defiance کے جو کچھ زوردار لہجے built in ہونے چاہئیں وہ میں فی الحال یہاں ناپید دیکھتا ہوں۔ (عوام کو کنفیوز کرنے

کا میں بالکل قائل نہیں، لہٰذا عوام کی بات نہیں ہو رہی، بلکہ عوام کو لے کر چلنے والی "بنیادی جمعیت" کی بات ہو رہی ہے۔ یہ بات براہ کرم نوٹ رہے)۔ فی الحال میں جو دیکھ رہا ہوں وہ یہ کہ "جمہوریت" کو جو کہ وقت کی باطل تہذیب کا ایک باقاعدہ بنچ مارک benchmark اور ایک سیلنگ پوائنٹ selling point ہے... "جمہوریت" کو اس کی ایک عمومی حیثیت میں مطعون ٹھہرا دینے پر ہی، کوئی اور نہیں سب سے پہلے آپ کا وہ اسلامی کارکن بگڑ اٹھتا ہے جسے وقت کے اِس باطل دین کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے میدان میں اترنا تھا! ہیں، جمہوریت کو برا کہا!؟ گویا ایمانیات پر کوئی زد آگئی! غرض میرا مسئلہ اُس "اجتہاد" کے ساتھ نہیں جو اپنے مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ ایک مجتہد کے بیان میں آیا کرتا ہے۔ بلکہ میرا مسئلہ اُس "تحریک اور عمل" سے ہے جو اس اجتہاد کو بنیاد بنا کر ایک باطل سے معاملہ کرنے کا خواہاں ہے۔ "اجتہاد" اور "تحریک" کے مابین یہاں فاصلہ تشویش ناک حد کو پہنچا ہوا ہے۔ ایسے میں، ایک سرنڈر surrender یقینی ہے جہاں "اجتہاد" کے حوالے دینا تقریباً غیر متعلقہ ہو جاتا ہے، اور حق تو یہ کہ گمراہ کن misleading اور ضرر رساں۔

اس دوسری بات کو میں تھوڑا اور کھول دوں:

جمہوریت وغیرہ کی مذمت اُن فارغ لوگوں سے تو میں بہت سنتا ہوں جو اِس گھمبیر صورتحال میں قوم کو ایک انچ آگے بڑھانے کے لیے کوئی راستہ، کوئی تدبیر اور کوئی لائحہ عمل اپنے یہاں نہیں رکھتے، سوائے دبے لفظوں میں عسکریت militancy کی تحسین کر جانے کے... یا سماجی محاذوں پر جتی ہوئی ہماری اُن دینی جماعتوں کے صبح شام لتّے لینے کے، جو کچھ ناگزیر برائیوں کو قبول کر کے یہاں کے کچھ ضروری رخنے پُر کرنے میں مصروفِ عمل ہیں... یا سوائے مہدی کا "انتظار" کرنے کے۔ مختصراً، وہ طبقہ جو ہمارے ہاں پیچھے بیان ہو چکی اول الذکر انتہا extreme پر ہے۔ اِس طبقہ کے جمہوریت کی مذمت کرنے سے، ظاہر ہے، مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیونکہ یہ بجائے خود ایک انحراف سے پھوٹ کر آ رہی اور ایک تخریب یا تعطیل تک لے جانے

والی ہے۔ یہ تقریباً ویسا ہی ہے جیسے خوارج کا "حُکم بغیر ما أنزل اللہ" کے خلاف بولنا اور "إنِ الْحُكْمُ إلا لِلّٰہ" کا نعرہ بلند کرنا۔ عین وہ شےء جس کی بابت امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا: كَلِمَةُ حَقٍّ، أُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ "بات حق، مگر مقصود اس سے ایک باطل"۔

جمہوریت—جو کہ وقت کا دین ہے اور باطل تہذیب کا ایک بنچ مارک—کو مذموم ٹھہرانا میرے لیے ان لوگوں کا معتبر ہو گا جو "ضرورات کا اعتبار کرتے ہوئے ایک مفسدت کو دوسری سے دفع کرنے" کے شرعی مسلک پر ہیں۔ وہ اہلِ نظر جو ایک مفسدت کو دوسری سے دفع کرتے ہیں تو اُس "دوسری" میں بھی ان کے ہاں وہ "مفسدت" والی نظر سلامت ہی رہتی ہے۔ یعنی کسی بڑے نقصان یا خرابی کے مقابلے پر "کمتر" ہونے کے ناطے وہ ان کے یہاں اختیار ہونے میں بھی آئی، رُوبہ عمل بھی رہی، البتہ "مفسدت" والا معنیٰ اس کے اندر روپوش بھی نہیں ہوا۔ ہے ان کے نزدیک یہ اب بھی ایک برائی اور اپنی جگہ ایک مذمت کی چیز۔ قصیدے اس کے یہ کبھی نہیں کہیں گے۔ یہ ہے اصل شرعی نظر۔ البتہ یہاں میں جس طبقہ کو دیکھتا ہوں، الا ماشاء اللہ، اس کے ہاں مسئلہ "چھوٹی مفسدت" والے اعتبار سے شروع ہو کر "مطلوبِ شرائع" کے قریب قریب جا پہنچتا ہے..... اور "ضرورات" وغیرہ کا وہ پورا مقدمہ جو کسی اجتہاد کی بنیاد بنا تھا، کہیں پیچھے چھوڑ آئی گئی چیز۔ "مفسدت" والا معنیٰ اب بیان کرنے پر تو یہاں دنگا ہو سکتا ہے! یہاں تک کہ ایک ہی جماعت کی پرانی چیزیں اس کو دکھانا جنگ چھیڑنے کے مترادف!

اب یہاں پہنچ کر آپ دیکھتے ہیں، "ضرورات" کا اعتبار دونوں فریقوں کے ہاں نہ رہا۔ "موازنۂ مفاسد" ہر دو جانب ناپید۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں ہر دو انتہا یکجا ہو جاتی ہیں! اکثر دو انتہاؤں کا ویسے آپ یہی ماجرا دیکھیں گے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ نوٹ کرواتے ہیں کہ مسائلِ ایمان میں کہاں خوارج اور کہاں مرجئہ، لیکن

ایمان کی تبعیض[1] کے انکار میں، (جو کہ ان تمام مسائل کی اصل جڑ ہے) مرجئہ اور خوارج دونوں کا موقف یکساں؛ اور دونوں مل کر اہل سنت سے الجھنے والے!

4

جمہوریت... اور اسلام کی تفسیرِ نو

نتائج conclusions پر پہنچنے میں اوپر ہم نے تھوڑی جلدی کر لی۔ ورنہ فرق ماضی کے اُس اجتہاد اور حال کے اِس اجتہاد میں، یا ان کی پوزیشنوں کے مابین، ابھی اور بھی ہیں...

رومی یا ساسانی ڈیزائن کی کوئی چیز "ملوکیت" وغیرہ کی صورت ماضی میں مسلمانوں کے ہاں لائی گئی تو وہ بجائے خود کوئی اجتہادی عمل نہیں تھا۔ یا تو کسی کی نارسائی تھی یا صاف ایک دھکا جو کرنے والوں نے کیا۔ لہٰذا

---

[1] تبعیض یعنی ایک چیز کے حصے ماننا۔ اہل سنت "ایمان کی تبعیض" کے قائل۔ اس کی مثال: یوں ماننا کہ ایک گلاس آدھا بھرا ہوا بھی ہو سکتا ہے، پونا بھی اور چوتھائی بھی، وغیرہ۔ جس کی بنیاد پر "پورے" کے مقابلے پر تو اسے ہم "ناقص" ہی بولیں گے، نیز دنیوی مذمت اور اخروی عذاب کا موجب بھی۔ جبکہ خالی کے مقابلے پر "بھرا ہوا" مانیں گے خواہ ایک قطرہ کیوں نہ ہو۔ اور اس لحاظ سے وہ بہر حال قابل قدر و لائقِ اجر۔ خوارج اور مرجئہ دونوں اس بنیادی مسئلہ پر تو متفق کہ ایمان ایک کل کا نام ہے، آدھا یا پونا یا چوتھائی یا قطرہ یا ذرہ یا "رائی برابر" وہ نہیں ہو سکتا، بس یا وہ خالی ہے یا وہ پورا ہے۔ اِس نقطے تک تو دونوں فرقے اہل سنت کے خلاف یک جا، کہ ایمان کے حصے نہیں ہو سکتے۔ آگے جب "کچھ بھرے اور کچھ خالی" پر حکم لگانے کی نوبت آئی تو خوارج نے کہا: خالی۔ جبکہ مرجئہ نے کہا: پورا۔ ایک کے نزدیک کبائر کا مرتکب کافر، دوسرے کے نزدیک کامل الایمان، جبکہ اصول پر دونوں انتہائیں متفق اور اہل سنت کے ساتھ منازع!

اس میں غلط اور مردود ہونے کا معنیٰ بجائے خود قائم تھا۔ اہلِ علم و فقہ نے کبھی اس کو 'اسلامائز' کرنے کا رخ نہیں کیا۔ "اجتہاد" اگر کچھ ہوا ہے تو وہ اُس ملوکیت کو "قبول" کرنے سے متعلق نہیں ہوا۔ اسلام سے اُس کو یا اُس سے اسلام کو "ہم آہنگ" کرنے کی نوبت نہیں آئی کبھی۔ نہ مسلمانوں کے علمی ذخیروں میں ایسی کسی کوشش کے شواہد۔ سیاسة شرعیة پر جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں بیعتِ انعقاد کی وہی شرطیں، جو ملوکیت سے قبل مسلمانوں کے ہاں معروف تھیں۔ "تغلُّب" کو فقہ کی کسی ایک بھی کتاب نے سندِ جواز نہیں بخشا۔ کچھ ملتا ہے تو وہ "متغلِّب کے ساتھ—جب وہ تغلُّب کر ہی لے—معاملہ کرنے" سے متعلق، کہ اس پہاڑ کے ساتھ سر ٹکرانے کی بجائے کوئی حکیمانہ معاملہ اس کے ساتھ کر لیا جائے اور جہاد و اقامتِ شرائع ایسے عظیم مصالحِ اسلام کو محض اُس کے تغلُّب کی وجہ سے معطل نہ ہونے دیا جائے، نیز مسلمانوں کے یہاں فتنہ و خونریزی کا وہ دروازہ نہ کھلنے دیا جائے جس میں ہزار فتنہ و شر کے دروازے آپ سے آپ کھلتے ہیں۔ "ملوکیت" بجائے خود اُن اہلِ علم و فقہ کا کبھی نعرہ نہیں رہی، "ملوکیت" کبھی اُن کے یہاں آئیدیلائز idealize نہیں ہوئی، برعکس "جمہوریت" کی اس آن بان شان کے جو آج اسے ہمارے بہت سے شارحینِ اسلام کے ہاں حاصل ہے۔

مقصد یہاں "جمہوریت" کے نعرے لگانے سے روکنا نہیں، ضرور لگائیے۔ بہت خطوں میں یہ آپ کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ خدا کے دشمنوں کے ساتھ ہماری سماجی لڑائی میں اس کی نوبت جابجا آئی رہتی ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ ماضی کا وہ اجتہاد جو آپ نے ذکر فرمایا اُس میں "ملوکیت" کا فی نفسہٖ برائی اور غلط ہونا مسلّمہ established تھا؛ اور اس کی وہ حیثیت صدیوں جوں کی توں۔ "ملوکی" استبداد کی نظریاتی پوزیشن کوئی ایسی تھی ہی نہیں جو ہمارے "اسلام" کو متاثر کر لے یا اِس بات کا کوئی اندیشہ تک ہو۔ اجتہاد ہوا تھا اُس کو ظلم اور برائی مانتے ہوئے، اہل دین و صلاح کے اُس کے ساتھ پیش آنے سے متعلق، اور بس۔

"اسلام" کے احاطہ میں البتہ اُس کا داخلہ ہو سکتا تھا نہ اُس کی یہ حیثیت، اور نہ ائمہ وفقہاء کے ہوتے ہوئے اُس کی یہ مجال۔ اس لحاظ سے؛ اُس کا معاملہ تو بہت سادہ تھا۔ یہ حالیہ دیو استبداد جس کا نام "جمہوریت" ہے البتہ ہمارے اسلام ہی میں گھس آیا؛ اسلام کی جدید تعبیر اس کے بغیر نامکمل اور ناآسودہ ہے۔ یہاں تک کہ خلافتِ راشدہ کے حق ہونے کی دلیل "جمہوریت" سے لی جانے لگی ہے، یعنی وہ ایک 'جمہوری' طرزِ حکومت تھا اس لیے وہ حق ہوئی اور بعد کی حکومتیں 'غیر جمہوری' ہونے کی وجہ سے ناحق! "جواز" legitimacy کی بنیاد اِس 'اسلامی جمہوری' بیانیہ میں "یقودُکم بکتاب اللہ" کی بجائے 'طرزِ انتخاب' کو مانا جانے لگا ہے؛ اور اس وجہ سے آج کی وہ حکومتیں جو 'منتخب' ہیں چاہے ان کو اسلام کی ہوا نہ لگی ہو، ماضی کی بر سرِ جہاد شریعت پر فیصلے کرنے والی، 'غیر منتخب' حکومتوں کی نسبت زیادہ حق rightful اور جائز legitimate! غرض "الخلفاءِ الراشدین المھدیّین" بھی اپنی وہ تمام تر حیثیت، برگزیدگی اور پیشوائی جو اُنہیں دین اور تاریخ میں حاصل ہے، اِن کے تئیں، جمہوریت سے لیتے ہیں اور سب اِسی کی چوکھٹ سے سند پا کر جاتے ہیں! یہ رانی ہمارے حال کو کچھ دے یا نہ دے، ہمارے ماضی کے فیصلے ضرور ہاتھ میں کرے گی اور ہمارے سب فاتحین اور صلحاء کو اپنے کٹہرے میں لائے گی! (اس سے انسپریشن inspiration پا کر ہماری تاریخ کا محاکمہ کرنے اور اسے کوڑی کا بنا کر رکھ دینے کی ایک تحریک روز بروز اپنے یہاں زور پکڑ رہی ہے۔ اغلباً اُس کی سٹریٹیجی یہ رہی ہے کہ ہماری "تاریخ" سے گزر کر وہ ہمارے "دین" تک پہنچے کیونکہ "راستے" میں اُس کو اپنا یہ قافلہ بڑا ہوتا جانے کا یقین ہے۔ نیز بڑے بڑے نیکوکاروں اور 'ماضی کے جابروں کے رُوبرو 'کلمۂ حق بولنے کی تڑپ رکھنے والے' اصول پسندوں' کا ایک جتھہ میسر آنے کا بھی اس کو خاصا بھروسہ ہے! عین جس طرح مستشرق کی مہمیز دی ہوئی ایک تحریک ہماری "فقہ" کو ڈھانے کی راہ سے ہماری "شریعت" تک پہنچنے کی تاک میں ہے؛ کیونکہ اِس "راستے" سے بھی اُس کو بڑے بڑے نیک اور 'محقق' طبقے ساتھ ملنے کی آس ہے)۔ جبکہ ایک دوسری سطح پر

ہمارے ایک زیادہ 'ایڈوانس' طبقہ کے ذریعے یہ (جمہوریت، جو کہ شجرِ ہیومن ازم پر نمودار ہونے والی محض ایک شاخ ہے) پہلے سے ہماری شریعت کو ری شیپ reshape کرنے میں لگی ہے، یہاں تک کہ اس کی یہ استشراقی محنت اچھا خاصا رنگ بھی دکھانے لگی ہے، جس کے لیے آپ کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھائی جانے والی "اسلامیات" پر ایک نظر ڈال سکتے ہیں۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ دیکھنا ہو تو وہ "ری سرچ" جو ہائر ایجوکیشن میں آپ کے بیٹے بیٹیاں سوشل سائنسز کے اندر مغربی سپروائزر کے نیچے کر کے آتے اور پھر آپ کے یہاں اعلیٰ پوسٹوں پر فائز ہوتے ہیں۔

چنانچہ...ماضی کی اُس "ملوکیت" کا نظریاتی خطرہ حال کے اِس بھاری بھر کم گلوبل ثقافتی ایجنڈا کے آگے کیا ہے جو اصل میں تو ایک ہیومن ازم (انسانی خدائی) کی تحریک ہے تاہم اس کا پھیری والا hawker آپ کے لیے سب سے زیادہ "جمہوریت" ہی کی آوازیں لگاتا ہے؟ گویا وہ ایک دیو ہیکل ہیومن ازم (نظریۂ انسان پرستی) "جمہوریت" میں کیموفلاج camouflage ہو کر آپ کے یہاں آگے بڑھ رہا ہے جبکہ سو سال میں وہ ایسی عظیم الشان پیش قدمی آپ کی سرزمین پر کر چکا... کہ اپنی تاریخ کی ایک نظریاتی جنگ میں جس کی اس سے پیشتر کوئی مثال نہیں ملتی unprecedented، آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگے، لیکن تا حال اسی 'عطار کے لونڈے سے دوا لینے' پر بضد۔ وہ "ملوکیت" اپنی تمام تر خرابی اور تباہ ناکی کے علی الرغم رومیوں اور ساسانیوں کے ہاں چلا آتا ایک دستور ہو گا، جبکہ "ملوکیت" کی حد تک تو وہ شے بنی اسرائیل کے ہاں بھی چلی ہی آئی ہے، جو کہ اپنے وقت کی آسمانی امت تھے۔ مسلمانوں کے لیے "ملوکیت" ایک شکست خوردہ روم یا ایک مفتوح فارس کا کوئی مرعوب کر دینے والا نظریاتی سیلنگ پوائنٹ selling point نہیں تھا جو آپ کے ذہین و مخلص دماغوں کو متاثر کیے اور آپ کے عقائد میں نقب لگائے چلا جا رہا ہو۔ اِدھر "جمہوریت" التبہ فاتح مغرب کا باقاعدہ دین اور نعرہ اور اس کی جنگوں تک کا ایک کھلا عنوان ہوتا ہے، جیسا کہ دو عشرے پیشتر امریکہ

کی افغانستان اور عراق پر چڑھائی کے وقت جمہوریت کی باقاعدہ جے بولی گئی اور اس کے فوجیوں کی قربانی اس 'مقدس فریضہ کی راہ میں' مانگی گئی تھی۔ گویا تھرڈ ورلڈ کی محروم جمہوریت اقوام کو اس نعمت سے بہرہ ور کروانا امریکیوں کا فرض ہے، خواہ اس میں ان کی جانیں کیوں نہ چلی جائیں۔ ایک چیز کی حیثیت ایک قوم کے لیے دین کی نہ ہو تو بھلا کب اس کی نوبت آتی ہے؟ (یہاں بحث یہ نہیں کہ عراق پر چڑھائی کے وقت جارج بش اپنا یہ نعرہ لگانے میں کس قدر جھوٹا تھا۔ کل مطلوب یہاں یہ ذکر کرنا: کہ "طریقتکم المثلیٰ" کے مصداق وقت کے ایک فرعون کا نعرہ آج یہ ہوتا ہے)۔ یعنی جس طرح سلیمان علیہ السلام "اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا" کی جانے کو ملکِ سبا پر اپنی لشکر کشی کی بنیاد بناتے ہیں، عین اسی طرح جارج بش "جمہوریت نہ ہونے" کو ایک ملک پر اپنی لشکر کشی کی بنیاد بنانے کے لیے کافی جانتا ہے۔ بے شک مغرب اپنے اِس معبود کے ساتھ آخر میں وہی کرے جو جاہلی عرب بھوک کے وقت اپنے کھجوروں سے بنائے گئے بُت کے ساتھ کر جایا کرتا تھا، یعنی جہاں مغرب کی سیاست اور توسیع پسندی کی ضروت ہوئی، اور جو کہ عالم اسلام میں اس کو جا بجا لاحق ہے، وہاں خود ہی اپنے ایک معبود کا گھونٹ بھر لیا، لیکن ہے یہ اُس کا ایک معبود۔ سچ یا جھوٹ، جے اِس کی وہ جپتا ہے۔

غرض بھولنا نہ چاہیے، جمہوریت نرا ایک "عمل" ہونے کے ساتھ ساتھ کسی مخصوص "افکاری" خاندان کا ایک اہم فرد بھی تھا۔ اُس خاندان کا نام ہے ہیومن ازم۔ یعنی انسانی خدائی۔ جمہوریت اس "نظریہ کی ایک سادہ سیاسی تعبیر" ہے، علاوہ ایک ایسا "سیاسی عمل" ہونے کے جو کسی وجہ سے آج ہماری ضرورت ہے۔ چنانچہ جہاں "عمل" کے طور پر، اور وہ بھی ایک کمتر برائی کی حیثیت میں، ہمارے اس کو لینے میں حرج نہ تھا... وہاں "نظریہ" کے طور پر، ہمیں اس کے ساتھ جنگ بھی لڑنی تھی۔ جبکہ واقعہ کیا ہے؟ "عمل" کی سطح پر یہ ہمیں جتنی مل سکی باوجود ہمارے اس کو آوازیں دے دے تھک رہنے کے، وہ تو ہمارے سامنے ہے... البتہ "نظریے" کی سطح پر یہ ہمیں ہمارے مانگنے سے زیادہ مل گئی ہے! تاحال... ہماری دنیا کا اس نے کچھ سنوارا ہو یا

نہیں، ہمارے دین کا خاصا اجاڑا کر دیا۔ اور یہ سب دیکھ لینے کے بعد بھی، ابھی ہم اس معادلہ equation کو درست کرنے پر آمادہ نہیں۔

یہاں؛ کچھ احباب نکتہ اٹھائیں گے: جمہوریت کا وہ "نظریے" والا ڈنگ ہمارے اجتہاد میں اس سے نکالا تو جا چکا ہے! یعنی "مغربی" کی جگہ "اسلامی" جمہوریت اس مسئلہ کا ہی تو حل ہے، جس میں اس کے وہ سب غیر مرغوب اجزاء اس سے بے دخل کیے جا چکے ہیں... آپ پھر اسی "نظریے" والی بات کو لے کر بیٹھ گئے!

اس کے جواب میں، مختصراً دو باتیں عرض کروں گا:

پہلی بات: جس جمہوریت سے آپ نے "مغربی" کا لفظ پھاڑ پھینکا اور اس کی جگہ "اسلامی" لکھ کر اسے اپنی کر لیا، اس کے سائیں دنیا میں ابھی زندہ تھے، اور ایسے کہ اپنے تئیں ہفت اقلیم کے مالک۔ آپ کے اپنی حد تک ایسا کرنے سے اُنہیں فرق کیا پڑتا؛ سب دریا یہاں اُن کے رخ پر، یونیورسٹیاں اُن کی، ذرائعِ ابلاغ اُن کے، ریسرچ اُن کی، ادبیات کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں، رجحان سازی trends making کے سب اوزار اُن کی تحویل میں، اصطلاحات کی ٹکسال اُن کے پاس۔ ایسے میں؛ آپ کی کسی کتاب کے 'فلاں فلاں صفحہ' پر درج ایک بات اس حد تک تو بے شک "مؤثر" ہو سکتی ہے کہ ایک قاری خود آپ کی بابت غلط رائے قائم نہ کر جائے، یعنی آپ کو رائج جمہوریت کے متبعین میں شمار نہ کر لے (وہ بھی ایک منصف مزاج قاری، جو اتنی آسانی سے دستیاب نہیں!) اور آپ کو پورا عذر دے۔ لیکن اس سے ایک رائج اصطلاح بر سر زمین آپ کی ہو جائے گی اور اس کا 'پچھلا مالک' اس سے فارغ سمجھا جائے گا، یا دونوں کا حق اس پر اب برابر کا ہو جائے گا، یہ تو آپ کے دورِ غلبہ میں شاید اتنا آسان نہ ہوتا!

اصطلاحات کے متعلق وہ جو ہمارے اصولیوں کے ہاں ایک قاعدہ چلا آتا ہے "لا مشاحّةَ فی

الاصطلاح"، اس کا تعلق خالص علمی اخذ و ردّ سے ہے [کہ چونکہ یہ ممکن اور جائز ہے کہ ایک ہی معنیٰ کو لوگوں نے اپنا اپنا لفظ دے لیا ہو یا ایک ہی لفظ کو اپنا اپنا معنیٰ... لہٰذا عند النزاع قائل کے ایک لفظ کو آپ اسی معنیٰ میں لیں جس کے لیے وہ لفظ خود اُس کے ہاں وضع ہے، نہ کہ اس معنیٰ میں جس کے لیے وہ لفظ آپ کے ہاں وضع ہے]۔ سب کے اس قاعدہ پر متفق ہونے کے باوجود، آپ دیکھتے ہیں اچھے اچھے اہل علم کے لیے اس پر پورا اترنا مشکل ہوا رہتا ہے جو قائل کا بولا ہوا ایک لفظ اس کے کسی رائجِ عام مفہوم پر لینے کی غلطی کہیں نہ کہیں کر جاتے ہیں۔ یعنی اُس علمی دائرہ میں بھی، اور خود علماء کے لیے بھی، یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ کجا ایک قوموں، معاشروں اور تہذیبوں کی آویزش کی سطح پر!!! ثقافتی معرکوں میں تو "اصطلاحات" ایک ایسی پھسلن ثابت ہوئی ہیں جہاں بڑی بڑی قومیں اپنی راہ کھو، کسی اور کی ڈالی لگ سکتی ہیں۔ دماغوں کی یرغمالی کی یہ ایک مؤثر سکیم اور فکری ساہوکاری کا ایک مجرب طریقہ رہا ہے؛ یعنی کمزور کا تہذیبی استحصال۔ ذہنی ماتحتی subordination، تبعیت following اور انحصاری dependency کا یہ ایک خاصا نمایاں مظہر رہا ہے۔ یہ خطرہ آپ کے لینے کا کب تھا!

دوسری بات: "جمہوریت" فی زمانہ ایک عمل ہونے سے پہلے اگر ایک نظریہ ہے جو اپنا ایک پس منظر رکھتا ہے... جبکہ اس پر تو شاید ہم متفق ہیں کہ اپنے اس نظریہ اور پس منظر کے حوالہ سے جمہوریت دورِ حاضر کا ایک باقاعدہ شرک ہے... اور جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے اسلام کا اصل اِحیاء، آپ کے لوگوں میں کچھ نہایت زور آور لہجوں کا آنا، ان کا "کسی طوفاں سے آشنا" ہونا اور "ان کے بحر کی موجوں میں ایک اضطراب" برپا کرایا جانا وقت کے شرک کے ساتھ آپ کے الجھنے میں مضمر ہے نہ کہ محض "نیک اعمال" اور "بھلے اخلاق" کی تاکیدیں کر لینے میں... اور جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ جتنا ضروری یہاں آپ کی ضرباتِ حق میں ایک زور پیدا کرانا ہے اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ شرک کو زیادہ سے زیادہ ان ضربات کی "زد" میں لے کر آیا

جائے، بصورتِ دیگر آپ کی اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کی سعی بیشتر اکادیمی academic نوعیت کی رہتی ہے جبکہ بر سرِ زمین ایک خاصی غیر متعلقہ چیز..... تو یہاں ضروری تھا کہ آپ ایک شرک کو اس کا نام لے کر ہی بلائیں، کجا یہ کہ اُسے خود کو کیمو فلاج کرنے میں آپ ہی کا تعاون میسر آ جائے! اس انتظام سے؛ اب یہ ایک طبعی بات ہوتی کہ بجلی مہنگائی وغیرہ ایسے امور سے کچھ توجہ پس انداز کر کے اگر کبھی ہم نے "شرک" اور "باطل" پر کوئی ضرب لگائی بھی تو وہ اس کے دائیں بائیں نکل گئی۔ اور اس کی وجہ اُس کا کیمو فلاج۔ ہم تو ماریں گے لیکن اُسے چوٹ کوئی نہیں آئے گی! ہم بھی مطمئن، وہ بھی بے فکر! یہ ایک نہایت اعلیٰ بندوبست ثابت ہوا وقت کے ایک باطل کے ہمارے یہاں پنپنے اور ہماری اس پر پڑھی ہوئی آیتیں اور وعیدیں بے اثر جانے کے حق میں۔ [چلیں اگر یہی کر لیا ہوتا کہ "دعوت" اور "سیاست" کے اپنے یہاں جدا جدا پلیٹ فارم ہوتے: جہاں "دعوت" اپنی کسی 'سیاسی' مجبوری کی اسیر ہوئے بغیر باطل کا کماحقہٗ ابطال کرتی، جبکہ "سیاست" ہماری اس برہنہ 'دعوتی' یلغار کی قیمت ادا کیے بغیر، بلکہ کچھ اور بھی آزادی کے ساتھ، یہاں اپنا راستہ بناتی رہتی... تو بھی ایک بات تھی۔ (وقتِ حاضر میں آگے بڑھنے کے لیے یہ ایک نہایت کارگر سکیم ہو سکتی ہے، اس کی تھوڑی وضاحت ہمارے ایک طویل مضمون "اہلِ دین کی صف بندی۔ چند اوجھل پہلو" کی فصل "اسلامی تحریکی عمل میں چند جذری ترمیمات-سفارشات" کے دوسرے نکتہ "دعوت اور سیاسی سرگرمی کو الگ الگ کر دیں" کے تحت دی گئی ہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات اس کے لیے وہیں سے رجوع فرما سکتے ہیں)]۔ غرض جمہوریت کے معاملہ میں ہماری اس "گُڈ اور بیڈ" کی تقسیم اُس کے حق میں نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی، جبکہ ہمارا کیس وقت کے ایک شرک کے ساتھ الجھنے کے حوالہ سے داخل دفتر! اپنا 'توانائی بحران' ایک بڑی حد تک آج اسی کا رہینِ منت ہے۔

*****

تمہید سے گزر کر، اب ہم مراسلہ کے اس جزء پر آجاتے ہیں جہاں سوالات دیے گئے ہیں:

5

جمہوریت کو "کلمہ" پڑھانا کیا ضروری ہے؟

سوال 1:

کیا موجودہ دور میں ریاست میں تبدیلی کے دستیاب ٹول "جمہوریت" میں شامل ہو کر اسلام یا اسلامی نظام کے لیے کوشش کرنا منہج سلف یا قرآن وسنہ سے صریح بغاوت کہلائے گی؟

جواب:

بالکل شامل ہونا چاہیے اندریں حالات، بشرطیکہ توحید پر ایک اچھی تربیت آپ پا چکے ہوں۔ اور پورا زور لگا دینا چاہیے، اِس راہ سے، معاملے کو مسلمان کے حق میں جس قدر ہو سکتا ہے کر لینے یا اس کی کوشش کر دیکھنے میں۔ نہ یہ منہجِ سلف سے ہر گز کوئی انحراف ہے اور نہ قرآن وسنہ سے کوئی بغاوت۔ بلکہ اس سے بڑھ کر، ہم تو کہتے ہیں: اس کے لیے جمہوریت کو "اسلامی" کرنا بھی ایک غیر ضروری شرط ہے (اور حق تو یہ کہ ایک گمراہ کن رجحان، تاہم اس موضوع پر ابھی ہم نہیں آ رہے)۔ جمہوریت کے "کلمہ" پڑھنے کے انتظار میں اپنی اس شرکت کو مؤخر رکھنا اور تب تلک جمہوریت کے ایوان میں قدم دھرنے کو کفر کے مساوی جاننا یا حرام رکھنا، در حالیکہ مصالح المسلمین یہاں آپ کی شرکت کا تقاضا کر رہے ہوں، ہماری نظر میں ایک غیر ضروری تشدد ہے۔ دنیا کے اُن ملکوں میں بھی جہاں اس "کافر کو مسلمان کرنے" کی رسمی کارروائی تک نہیں ہوئی ہے، یہاں

تک کہ امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور بھارت کی جمہوریت میں جہاں اس کو 'مسلمان' کرنے کا سوال ہی سراسر غیر متعلقہ ہے—اسلام اور مسلمان کا کچھ نہ کچھ بھلا کرنے کے لیے—مسلمانوں کا شریک ہونا ایک بالکل جائز و مشروع امر ہے۔ ہمارے اہل علم کے فتاویٰ اس پر کثرت سے موجود ہیں۔ چند تقریرات اس پر دیکھ لینے کے لیے آپ سعودی عرب کے شیخ (ایک عرصہ سے قید) ابراھیم السکران کے رسالہ "مفاتيح السياسة الشرعية" کی فصل "النظام السياسي غير المشروع: بين الإنشاء والمشاركة" یا ہمارا اس سے اردو استفادہ بعنوان "غیر شرعی نظام کو بنانے اور اس کے اندر شرکت کرنے میں فرق ہے" ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

یہ ایک بہت اہم رُوٹ route ہے جو ہمارے مشائخ اس باب میں اختیار کرتے ہیں، اور جو کہ ہمارے ان دینی طبقوں کی جمہوریت میں شرکت سے خاصا مختلف ہے جو جمہوریت کو کسی نہ کسی درجے میں آئیڈیلائز کرتے ہیں اور پھر کچھ اعتراضات سے بچنے کے لیے اس پر "ضرورات" والی دلیل کا سہارا بھی لے لیتے ہیں۔ تھوڑی وضاحت کر دوں، کس طرح:

جمہوریت وغیرہ ایسے کسی بھی "غیر مشروع" نظام میں ہماری شرکت کی بنیاد ہوتی ہے: دین کے لیے جلبِ مصالح یا دفعِ مفاسد کے دستیاب مواقع کو حسبِ استطاعت بروئے کار لانا۔ یعنی مسئلہ کی بنیاد ہوئی: کسی دستیاب موقعے کو لینے سے متعلق مصالح اور مفاسد کا ایک دقیق شرعی موازنہ۔ کہیں پر مفاسد کا پلڑا بھاری ہوا تو وہ دستیاب موقع باوجود دستیاب ہونے کے، نہیں لیا جائے گا۔ مصالح کا پلڑا بھاری ہوا تو وہ موقع لیا جائے گا۔ یہاں سے؛ دو مسئلے نکلے:

1. مسئلہ کی بنیاد جب "مصالح و مفاسد کا موازنہ" ہے تو اس "موازنہ" کی بنیاد پر ہمارا اس میں شریک ہونا کہیں (کسی صورتحال میں) دین کا تقاضا ہو گا تو کہیں (کسی صورتحال میں) دین کا تقاضا نہیں ہو

گا۔ سو کہیں پر اس کی اجازت دی جائے گی تو کہیں پر اس سے ممانعت کی جائے گی۔ ہر دو حال میں اس کو "تضاد" contradiction پر محمول نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ ہر دو حال میں ایک ہی اصول لاگو ہوا ہے۔ ظاہر ہے جمہوریت کو آئیڈیلائز کرنے والا فریق اس بات کو حیرانی سے لے گا کہ "کہیں پر اس کی اجازت اور کہیں پر اس سے ممانعت؟"، اس لیے کہ وہ اس کو 'ہر حال میں دین کا مطلوب' قسم کی شے ء گنے گا۔ یہ ایک بنیادی فرق ہوا ہمارا اور ان اصحاب کا۔

2. مسئلہ کی بنیاد جب ایک دی ہوئی صورتحال میں in a given situation دین کے کسی ناگزیر مفاد کی تحصیل (شرعی زبان میں "جلب المصلحۃ")، یا دین کو لاحق کسی بڑے نقصان کو دین سے ٹال رکھنا (شرعی زبان میں "دفع المفسدۃ") ہے... تو یہ قاعدہ "کسی بھی خلافِ شریعت نظام" پر لاگو ہوگا، اور اس حوالہ سے "جمہوریت" کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔ اصولاً، یہ ایک "جمہوری" سیٹ اپ میں مسلمان کے شرکت کر آنے کے حق میں بھی درست valid ہوگا، ایک "ملوکیتی" سیٹ اپ میں بھی، ایک "آمریتی" سیٹ اپ میں بھی... غرض ہر خلافِ شریعت سیٹ اپ میں۔ جو جو "دستیاب مواقع" یہاں آئیں گے کہ انہیں بروئے کار لا کر ہم اسلام کا کچھ شیرازہ مجتمع کر سکیں، کافر سے ارضِ اسلام اور شرعِ اسلام کا جتنا کتنا تحفظ کر سکیں اور اس پر اُس کی چیرہ دستی نہ ہونے دیں، قلمروئے اسلام میں سر اٹھاتے نفاق کا جس قدر ممکن ہو سر کچل سکیں، اپنی نسلوں کی تعلیم اور تربیت اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے دین سے وابستگی پر کر سکیں اور ابلیس کی تعلیم (پڑھائی) اور تلقین (ابلاغ) سے ان کا بچاؤ کر سکیں، اسلامی تہذیب کو یہاں کا سکۂ رائج الوقت رکھ سکیں، وغیرہ... تو ایسے مواقع—بشرطِ موازنہ—ہم ضرور لیں گے اور کسی 'خلافِ شریعت نظام' کی دلیل سے ہم ان عظیم مصالحِ اسلام کو معطل ہر گز نہ ہونے دیں گے، خواہ یہ مواقع—ناگزیر طور پر

—ہمیں کسی ایک قسم کے 'غیر شرعی نظام' میں ملیں یا دوسری قسم کے۔ ہم دراصل اس پوائنٹ سے چلے ہی نہیں جہاں 'کسی نظام میں ہمارا شرکت کرنا' لازماً necessarily 'اس نظام کو ہمارا سندِ جواز عطا کرنا' ہو، جیسا کہ ایک بڑی تعداد کے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے۔ ہم یہ بات بنیاد سے واضح کر چکے (دیکھیے شیخ ابراہیم السکران کی محولہ بالا تحریر) کہ ایک 'غیر شرعی نظام' کو وجود میں لانا ایک اور پوزیشن ہے، البتہ مصالحِ اسلام کو معطل نہ ہونے دینے کی خاطر وہاں دستیاب مواقع کو—بشرطِ موازنہ—لے لینا بالکل اور پوزیشن۔ اس پر سب سے بڑی دلیل ابن تیمیہؒ نے یوسف علیہ السلام کے عمل سے دی ہے، جو اس وقت ہمارے بعض جمہوریت میں شرکت کرنے والے اصحاب کے ہاں بھی متداوَل ہے۔ بے شک یہ دلیل ایک جمہوری سیٹ اپ میں شرکت کے لیے بھی درست valid ہے، لیکن بھولنا نہ چاہیے کہ جہاں سے آپ یہ "دلیل" لے رہے ہیں وہ ایک "ملوکیتی سیٹ اپ" میں شرکت ہے! چونکہ ہمارے ان اصحاب کے ہاں "ضرورات" والی دلیل کے ساتھ ساتھ جمہوریت کو "آئیڈیلائز" کرنے والے محور پر بھی بیک وقت معاملہ آگے بڑھ رہا ہے، اس لیے یہ "جواز" کے معاملے کو کسی بھی دلیل سے "جمہوریت" ہی کے اندر محصور رکھنے کی کوشش کریں گے، جبکہ کسی 'غیر جمہوری' سیٹ اپ میں شرکت کر آنے کو خاصی اوپری نظر سے دیکھیں گے اگرچہ شرکت کی بنیاد وہاں بھی "ضرورات" اور "مصالحِ اسلام کو معطل نہ ہونے دینا" ہو! اور اگرچہ "مصالحِ اسلام" کی تحصیل نسبتاً (یعنی جمہوری ادوار کی نسبت) وہاں تھوڑی زیادہ ہی ہوئی ہو! بلکہ شاید ان کے نزدیک یہ ایک طعنہ ہو جسے یہ کبھی نہ سہہ سکیں! (ایک آمرانہ سیٹ اپ میں شرکت کا کسی بھی صورت روادار نہ ہونا)! اور اگر کبھی ایسا کر لیا ہو (ضیاء الحق کے دورِ آمریت میں تھوڑی سی شرکت اور تعاون، بطورِ مثال!) تو یہ خواہش کہ کہیں کوئی اس کا قصہ نہ چھیڑ دے!

یعنی احساسِ گناہ والی وہ پوری کیفیت! میں دوبارہ عرض کروں گا "ضرورات" کے مُنطَلَق premise سے چلنا ہر دو فریق کے یہاں تقریباً نامانوس unfamiliar ہے۔ (پہلی انتہا extreme کے ہاں ضرورات کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا ایک "نظام" خلافِ شریعت ہے تو وہ ترک ہو گا خواہ اسلام اور امت کا اس سے کتنا ہی بڑا نقصان ہوتا ہو اور مسلمانوں کے کرنے کو وہاں کچھ نہ رہ جاتا ہو۔ جبکہ دوسری انتہا کے ہاں ضرورات کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا ایک "خلافِ شریعت" کو کسی طرح "موافقِ شریعت" بنانے کی کوشش کی جائے گی!)۔ حالانکہ "ضرورات" کا اعتبار ہی معاملے کو وہ لچک flexibility دیتا ہے جو اس کو ٹوٹنے سے بچالے؛ شرعی حکم بھی اپنی جگہ باقی رہے اور امت کو لاحق کوئی بڑا نقصان بھی حتَّی الامکان ٹال لیا جائے۔ اور یہ ہے ہمارے مشائخ کی راہ: "فقہ الموازنات"۔ اور یہ ہے وہ بات جو ابن تیمیہؒ کے ہاں بیان ہوئی: نر اخیر اور شر کا جاننا فقہ نہیں، فقہ اصل ہے: دو خیروں میں سے خیر اور دو شروں میں سے شر کو نکالنا۔

مسئلے کو لینے کا یہ رُوٹ جو ہمارے مشائخ کے ہاں اختیار ہوتا ہے، اگر واضح ہو گیا ہے... تو پھر ایک قسم کے "خلافِ شریعت نظام میں شرکت" کو طعنہ اور دوسری قسم کے "خلافِ شریعت نظام میں شرکت" کو فخر جاننا اور اس میں اپنی "خدمات" کو بیان ہونے کی چیز گننا... نری لاعلمی یا شاید وقت کی جاہلیت سے متاثر ہونے کا شاخسانہ ہے۔ طعنہ اگر "ایک خلافِ شریعت نظام میں شرکت" ہے نہ کہ کچھ اور، تو یہ یہاں بھی ہے اور وہاں بھی۔ اس کو طعنہ نہ رہنے دینے والی بات اگر "ضرورات کا اعتبار" ہے نہ کہ کچھ اور، تو یہ یہاں بھی ہے اور وہاں بھی۔ پھر کیوں ایک "شرکت" میں معیوب ہونے کا پہلو ہماری فکر کے اندر بولنے لگتا ہے اور دوسری "شرکت" میں مطلوب و مقصود ہونے کا؟ یہاں؛ ذہنوں پر ہونے والے بیرونی اثرات کو کیسے ہم خارج rule

out کر سکتے ہیں؟

البتہ ہم بلا خوفِ ملامت یہ کہتے ہیں: مسئلے کی مناط (بنیاد) اگر مصالحِ اسلام کی تحصیل اور دین کو لاحق مفاسد سے اس کا تحفظ ہے، نہ کہ کوئی ہیومن اسٹ پیراڈائم جسے ہم لاشعوری طور پر لاگو کر جاتے ہوں، تو ہمارے وہ ادوار جن میں ہم نے "ایک خلافِ شریعت نظام" کے تحت اسلام کے لیے فتوحات کیں، براعظموں کو زیر و زبر کیا، ہند و افریقہ و یورپ کے بتکدے توڑے، ملکوں کے ملک اسلام میں داخل کیے، 'مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری'، قلمروئے اسلام میں شرق تا غرب (مجموعی طور پر) شرعِ محمدؐ کو حکمران رکھا اور اس کے علاوہ کسی شرع اور قانون سے ہم واقف نہیں رہے... ہمارے وہ ادوار جن میں تہذیبِ افرنگ کے مظاہر کو نہ صرف ہمارے بچے دور سے سلام کرتے اور ان پر تعجب سے ہنس لیتے تھے بلکہ ہماری گلیوں کے کتے ان (مظاہر) پر بھونکنے سے نہیں رہتے تھے... ہمارے وہ تمام "اسلامی" ادوار جو کہ صدیوں پر محیط ہیں، ہمارے اِن 'enlightened' ادوار سے لاکھ کروڑ درجہ بہتر اور تاب ناک ہیں جہاں "ایک خلافِ شریعت نظام" کے تحت ہمیں 'قراردادِ مقاصد' وغیرہ ایسی ایک آدھ چیز کے سوا تا حال کچھ نہیں ملا۔

واضح رہے، خاص اس واقعے (اپنے ماضی و حال کے اس موازنے) سے جو اوپر ذکر ہوا، یہ ثابت کرنا ہرگز میرا مقصود نہیں کہ ان میں سے ایک قسم کا "خلافِ شریعت نظام" دوسری قسم کے "خلافِ شریعت نظام" سے بہتر ہے تو خاص اس وجہ سے یہ نتائج آئے، حاشا و کلا۔ کیونکہ مصالحِ اسلام کی بہتر تحصیل کے پیچھے کوئی ایک ہی عامل کارفرما نہیں ہوتا جو ہم اس تمام تر مسئلہ کو کسی دور کے "نظام" اور اس کی ماہیت کے ساتھ ہی نتھی کر دیں (یہ ہمارے مدرسہ "اھل الأثر"

کا ایک اور بہت اہم مبحث ہے، جس میں ہم "انقلابی" مدرسہ سے بالکل جدا ایک پوزیشن رکھتے ہیں، یعنی پورے مسئلے کو "نظام" کے گرد نہ گھمانا)۔ بلکہ کسی دور میں اسلام کے اوپر جانے یا نیچے آنے کے پیچھے عوامل بے شمار ہوتے ہیں۔ اور وہ عوامل ایک الگ بحث ہیں۔ یہاں مقصد صرف اس طرزِ فکر پر تنبیہ کرنا ہے جو ہمارے دورِ ملوکیت میں پائے جانے والے "نظام" کے ساتھ ہمارے ائمہ وفقہاء کے تعامل پر بات کرتے ہوئے اگر کسی وقت ان (متقدمین) پر مہربان ہو بھی لے، اور ہتھ ہولا بھی رکھ لے، تو وہ اس حد تک کہ اس پر اُن کے لیے "عذر" وغیرہ ایسی شے تلاش کرے گا (مہربان نہ ہو، تو الامان والحفیظ!)... البتہ ہمارے اِس دورِ جمہوریت میں "نظام" کے اندر مسلمان کے ایک قوی شرکت اور فعال کردار ادا کرنے کو قریب قریب 'کارِ پیغمبری' جانے گا! ہم کہتے ہیں یہ ایک بہت بڑا مسخ اور خلل ہے جو حالیہ صدی میں مسلم ذہن کے اندر واقع ہوا؛ اور جس کے زہریلے سوتے اس جدید تعلیم اور ابلاغ کے پیندے میں پڑے ہیں، جہاں سے خاصا کچھ ہماری اسلامی چھلنی سے گزر کر بھی کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچ ہی گیا ہے۔

اب یہ انہی زہر ناک سوتوں سے پھوٹ آنے والی ایک چیز ہے جو آج بہت سے دین داروں کے خیالات تک میں بولنے لگی—اور جو کہ فی زمانہ ایک خالص جاہلی تعبیر ہے—کہ ایک بدترین جمہوریت بھی کسی بہترین غیر جمہوریت سے اعلیٰ و برتر ہی مانی جائے گی! اصولاً، یہ وہی شخص کہے گا جسے کتاب اور ایمان کی ہوا تک نہ لگی ہو۔ اس کے برعکس، ہمارا کہنا ہے: انحصار کرتا ہے depends، کہاں اسلام عزیز و متمکن ہے اور کہاں اسلام اپنی اس حیثیت سے مسلوب۔ جتنا کہیں پر اسلام کا کلمہ بلند، اتنا ہماری نظر میں وہ اعلیٰ و برتر۔ اور جتنا کہیں پر معاملہ اس سے برعکس، اتنا وہ بدتر اور مسلمان کی میزان میں مبغوض تر۔ قطع نظر اس سے کہ اس کا نام جمہوریت ہے،

ملوکیت ہے، یا کچھ اور۔

خلاصہ: آپ کے سوال کا جواب: ہاں، یہ ایک جائز امر ہے۔ یہ طویل وضاحت صرف اس لیے ہوئی کہ ہمارے مدرسہ میں اس "ہاں" کی جو بنیاد اختیار کی جاتی ہے وہ ذہن نشین کرادی جائے۔

6

جمہوری راستہ... اور اسلامی انقلاب

س2:

کیا بندوق کے رستے پر چلنے کے نتیجے میں جس طرح مسلم ممالک تباہ و برباد ہو گئے اور اسکے نتیجے میں ریاست کو میسر ارتقائی وسائل یا سٹرکچر پتھر کے زمانے میں چلا گیا،

وہ تدبیر درست ہے کہ، عوام کی بڑی اکثریت کو درست انداز میں ووٹ کے استعمال پر قائل کر کے اس سے پھر آگے بڑھا جانے کا طریقہ کار بالکل فاسد خیال کہلائے گا؟

جواب:

یہ بات ہم اپنی متعدد تحریروں میں کہہ چکے ہیں کہ ایک منظم معاشرے settled society میں، جیسا کہ فی زمانہ روئے زمین کے اکثر ملکوں کا معاملہ ہے، امکانات کی دنیا میں بندوق کوئی آپشن نہیں ہے، علاوہ اس بات کہ ہمارے سلف کی تقریرات میں اس راہ کو ترک کر وار کھنے پر ایک غیر معمولی تاکید پائی جاتی ہے۔ "مسلمان کا خون" اسلام کی بڑی حرمتوں میں سے ایک ہے؛ اور اس کو مباح کرنا اپنے اور پوری امت پر شر کا

ایک بہت بڑا دروازہ کھولنا۔

رہ گیا آپ کا سوال فرمانا "عوام کی بڑی اکثریت کو درست انداز میں ووٹ کے استعمال پر قائل کر کے اس سے پھر آگے بڑھا جانے کا طریقہ کار کیا ایک فاسد خیال کہلائے گا؟"

تو "فاسد خیال" تو یہ بالکل نہیں ہے، جبکہ اندریں حالات اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہونا پچھلے سوال کے جواب میں بیان کر ہی چکا... تاہم ایک قابل عمل چیز اسے ماننا میرے لیے مشکل ہے۔ 'مشکل' کا لفظ بھی سمجھیے رعایتاً بولا۔ اپنی اس شکل میں تو یہ قریب ناممکنات کے ہے جو ایک "پورے اسلامی پروگرام" کے ساتھ جمہوری میدان میں اترنے کے حوالے سے ہمارے یہاں عشروں سے متعارف چلا آتا ہے۔ (خاص تدبیری حوالے سے بات ہو رہی ہے)۔ "مسلم سٹریٹ" کی وابستگی اسلام کے ساتھ ایک سرسری قسم کی ہی رہ گئی ہے، وہ بھی اگر ہم اسے جوت لانے کی کوئی زیرک تدبیر رکھیں، ورنہ لبرل اس کو بھی درگور کر دینے کے درپے ہے اور اپنے اس مشن میں وہ کوئی ایسا ناکام بھی نہیں جا رہا۔ چنانچہ "مسلم سٹریٹ" کی اسلام سے اس سرسری وابستگی کو جوت لانے کی کوئی اسکیم اگر ہم لے بھی آئیں، جو کہ آج تک ہم نہیں لا پائے، اور نہ اس کے کوئی آثار فی الحال دکھائی دیتے ہیں، تو اسلام کے حوالے سے وہ کوئی سرسری پروگرام ہی ہو سکتا ہے جو "سٹریٹ" سے ایک بھاری تکڑی حمایت پالے۔ البتہ "اسلام کے ایک جامع پروگرام" کے لیے "عوام کی اکثریت" کی انتخابی حمایت لے آنا ایک خاصی غیر حقیقی توقع ہو گی، صرف یہاں نہیں، مصر اور ترکی میں بھی، بلکہ عالم اسلام میں اس وقت کہیں بھی۔

ایک بھاری بھر کم اسلامی پروگرام فی الوقت، اور آپ کے اقتدار میں آئے اور ایک عرصہ تک اقتدار میں رہے بغیر، عوام کو سمجھ آنا بھی مشکل ہے، کجا ان کا اس کی تائید کے لیے اٹھ کھڑا ہونا۔ یہاں ایک گہری خلیج

ہے جو—کچھ ہمارے بھاری اسلامی تقاضوں کی وجہ سے جو ہم یہاں کے عام آدمی سے رکھتے ہیں—ہمارے اور "عامی" کے مابین مسلسل بڑھ رہی ہے، اور لبرل اس (خلیج) کا بہت اعلیٰ استعمال بھی کر رہا ہے۔ (اس کی وضاحت کسی اور موقع پر، ان شاءاللہ)۔ ہمارے اور یہاں کے "عام آدمی" کے مابین اس خلیج کا ادراک کرنے میں ویسے ہم بہت لیٹ ہو رہے ہیں؛ جس کی وجہ سے یہاں ہمیں دستیاب لیوریج leverage آج سے پانچ عشرے پہلے کی نسبت بہت کم ہو گیا ہے اور روز بروز کم ہو رہا ہے۔ عامی کے لیے دراصل یہاں ایک بے حد ہلکی پھلکی فریکوینسی frequency کی ضرورت تھی جو ابھی تک ہم اسلام پسندوں کے ہاں اس کے لیے دستیاب نہیں ہے۔ اس مشکل کا ادراک کرتے ہوئے، یا کچھ ایسی مجبوریوں کے تحت جو شاید نادانستہ ہمیں فائدہ دے گئیں!... مصر اور ترکی میں بڑے عرصے سے یہ ایک تدبیر نکالی گئی ہے کہ ایک "جامع اسلامی پروگرام" کسی انتخابی دنگل میں سرے سے پیش نہیں کیا جا رہا، اور نہ ایک غیر معینہ عرصہ تک اس کا امکان۔ بلکہ "اسلام" ہی کا اس پورے سیاسی پروگرام میں کہیں نام نہیں رہنے دیا گیا۔ تب جا کر "کچھ" کامیابی ملی ہے۔ اِس جمہوری راہ کے متعلق عملاً بھی کسی غلط فہمی میں مت رہیے۔ ابھی تو اسلام کا کیا ذکر، یہاں اقتدار میں آپ پہنچ بھی لیں تو "اسلام" کو آپ اپنا پروگرام نہیں بنائیں گے۔ تب جا کر یہ راہ آپ سے کچھ وفا کرے گی۔ ایسی کوئی اسکیم ہو، یعنی کوئی ایسا سیاسی اصلاحی پروگرام جس میں "اسلام" فی الحال پیچھے کر لیا گیا ہو (انتخابی میدان کی حد تک مطلوب سٹریٹجی کے حوالے سے، میں خود اندریں حالات اسی کے حق میں ہوں، اور اس پر تھوڑا سا لکھ بھی چکا ہوں)، تب کچھ پیش رفت ممکن ہے۔ یعنی اپنے "ٹھیٹ" اسلامی چہرے کو خاصا پیچھے لے جائیے، اپنے اسلامی اہداف کو اپنے دل کی پہنائیوں میں رہنے دیجیے، اقتدار میں آنے کے بعد بھی بڑی دیر تک یہ ارمان اپنے دل ہی میں رکھیے، تو جا کر، اگر آپ قسمت کے دھنی ہوئے اور دیگر عوامل میں اچھے نمبر لے گئے، تو اس راستے میں ایک قابل لحاظ پیش رفت کا "امکان" ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔ میں اپنی اس تشخیص assessment میں

غلط ہو سکتا ہوں، تاہم میرے نزدیک صورتحال عین اِسی نقطے پر کھڑی ہے، اور اس حوالہ سے ایک کڑا مگر صحیح فیصلہ نہ کر پانے کے باعث ہر گزرتے دن کے ساتھ یہاں ہمارا لیور یج گھٹتا جا رہا ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے آج ہم ترکی سے کہیں بہتر پوزیشن میں ہوتے۔

یہاں پہنچ کر آپ دیکھتے ہیں، جمہوری میدان میں اگر کچھ پیش رفت ہو سکتی ہے تو وہ اپنے "انقلابی" طریقِ کار کو پیچھے چھوڑ کر۔ جہاں جہاں کامیابی کی کوئی 'کرن' دکھائی دی ہے، تو وہ یہی راہ چل کر۔ اس مسئلہ کی کچھ منہجی جہتیں دیکھنے کے لیے آپ ہماری محولہ بالا تحریر "اسلامی تحریکی عمل میں چند جذری ترمیمات-سفارشات" کا پہلا پوائنٹ بعنوان "نظریۂ انقلاب پر ایک نظر ثانی کی ضرورت" نیز ہمارا ایک مضمون "متقدمین ڈسکورس کا انقلابی ڈسکورس سے فرق" ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

7

"اقتدار" سے بھی بڑھ کر فی الحال ہمارے پریشان ہونے کی چیز

سوال 3:

سوال یہ ہے کہ اگر مسلم اکثریت کو ایک بڑی سطح پر تعلیم و تربیت کے ذریعے اپنے دینی سیاسی حقوق کی اہمیت دلوا کر اس کے نتیجے میں اگر ایک حکومت ہاتھ آ جائے گی تو، آئینی تبدیلیوں کے ذریعے اسے عین خلافت راشدہ کے ڈیزائن کے قریب ترین نظام سے کنیکٹ کرنے کا خیال ایک خیال غلط کہلا سکتا ہے_

جبکہ اس سارے عمل سے کٹے رہنے کی صورت میں کا نتیجہ لبرل اور سیکولرازم کو مسلسل ریاستی اقلیم پر پھن پھلا کر قابض رہ کر اپنے مطابق قانون و آئین سازی کا اختیار دے چکا ہے_

جواب:

اس کا جواب کچھ ہو چکا۔ "مسلم اکثریت کو ایک بڑی سطح پر تعلیم و تربیت" دے لی جانا، درحالیکہ آپ کے یہاں تعلیم اور ابلاغ کی باگ کچھ دین ناآشنا یا شاید دین بیزار طبقوں کے ہاتھ ہو، ایک نیک خواہش wishful thinking کہلا سکتی ہے۔ "اکثریت" کو "ایک بڑی سطح پر" تعلیم و تربیت دے لینا—بغیر آپ کے ایک لمبا عرصہ اقتدار میں رہے، یا اہل اقتدار کے ساتھ کوئی حکیمانہ پارٹنر شپ رکھے—خیال اور محال ہے۔ اس واہمہ سے جلد نکل آنا چاہیے۔ سماجی حقیقتوں سے ہم الجھ نہیں سکتے۔

بجائے اس کے کہ معاملہ "اکثریت کے بڑی سطح پر تعلیم و تربیت پا لینے" پر موقوف رہے (جو بغیر اقتدار ہونے والا نہیں)، اس سے ایک کہیں بہتر اور کرنے کا کام... میری نظر میں یہ ہے کہ ایک غیر معمولی outstanding صلاحیتوں کی مالک، صالح اعتقاد پر تربیت پا چکی "اقلیت" ہی فی الحال آپ میدان میں لے آیئے جو یہاں کے ہر شعبے میں ٹاپ تک پہنچنے کی ہمت اور جگر رکھتی ہو۔ "اقتدار" وغیرہ کو ایک لمبے عرصے تک ذہن سے نکال دیجیے جو کہ ویسے بھی اتنی آسانی سے آنے والا نہیں، اور اگر کسی تدبیر سے آ بھی گیا تو ایک بڑے عرصے تک وہ اسلام کو لے کر چلنے والا نہیں، جیسا کہ پیچھے گزر چکا، (جبکہ ہمارا اپنا وِژن ویسے ہی "اقتدار" نہیں بلکہ "اصلاح" کے گرد گھومتا ہے، مگر فی الحال یہ ہمارا موضوع نہیں)... وقت کی جاہلیت سے صحیح معنیٰ میں براءت کر رکھنے والے، اعلیٰ تربیت کی بھٹی سے گزارے گئے غیر معمولی صلاحیت اور غیر معمولی ہمت کے دس سے پندرہ ہزار نفوس میرا خیال ہے بائیس کروڑ کے اِس ملک میں دس سال کے اندر معجزے کر سکتے ہیں۔ یہاں کے سب سماجی شعبوں میں، اوپر کی پوزیشنیں "اسلامیوں" کے حوالہ سے فی الحال سائیں سائیں کر رہی ہیں۔ اور شعبوں کو چھوڑیے جو کہ ہزاروں ہیں، کالجوں یونیورسٹیوں میں تدریس کے ڈائس پر

کھڑا جاہلیت کے پرخچے اڑا سکنے والا اپنے سبجیکٹ میں لاثانی، شستہ زبان اور ایک اچھے کارزما charisma کا مالک اسلام پسند پروفیسر آج سو میں سے نہیں ہزار میں سے ایک دیکھنے کو مل جائے تو بڑی بات ہے۔ بلکہ وہ بھی شاید نہیں۔ (پاکستان کی بات ہو رہی ہے)۔ "تاثیر" کے مقامات کو اپنی گرفت میں کر کے، اقتدار کے بغیر بھی، تہذیبوں کی جنگ میں آپ کسی وقت بہت اچھا پرفارم کر جاتے اور کچھ بڑے بڑے برج الٹ لیتے ہیں۔ معاشرے پر پورا نہیں تو آدھا قابو آپ اِس طریقے سے بھی حاصل کر جاتے ہیں، اور وہ "آدھا" قابو جو یہاں "اصلاح" کی ڈھیروں صورتیں آپ کو سرِ دست میسر کراتا اور معاشرے میں کفر کی پیش قدمی کی راہ میں پہاڑ حائل کر لیتا ہے، بسا اوقات اُس "خالی رہنے" سے ہزار درجہ بہتر ثابت ہوتا ہے جو "پورے" کے انتظار میں گلے سے لگا رکھا جاتا ہے؛ اور جس کے باعث آپ اور سے اور دیوار سے لگتے اور معاشرے میں اپنا لیوریج leverage کھوتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر جب کسی معجزے کے نتیجے میں "پورا" ہمارے پاس آ بھی جاتا ہے تو گویا ہم کسی نیند سے جاگتے ہیں کہ اب کیا کریں! ائمۂ سنت کو ہم نے اپنے اپنے زمانے کے سوشل سائنٹسٹ کہا تو وہ ان کی اس صلاحیت کی بنیاد پر جب "مسندِ ارشاد" بغیر اقتدار میں ہوئے معاشرے کی آدھی پونی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھتی تھی؛ اور حاکم کے اقتدار کو محدود کر دینے کی سائنس میں یکتا۔ یہاں تک کہ اہل اقتدار بہت پہلوؤں سے اپنے آپ کو ان کی گرفت میں محسوس کرتے۔ پھر کسی وقت اس "تاثیر" penetration کے نتیجے میں، جو محلات تک کو اپنی زد میں کامیابی کے ساتھ لے لیا کرتی تھی—کیونکہ "تصادم"، "نعرہ بازی" اور "حکمران کی صبح شام مذمت" کی راہ سے گریز رکھتی تھی—ایسے ایسے اچھے کردار کے شہزادے مسند اقتدار پر فائز ہو جاتے تھے جو ہم شاید بڑی دیر تک اقتدار کو، اگر وہ ہمیں مل بھی جائے، نہ دے سکیں۔ غرض... کسی خاص توڑ پھوڑ کے بغیر بہت کچھ سنوار لینا ہمارے ائمہ پر ختم تھا۔ وہ جو اسلامی کمیاں ہمیں ماضی کے ان حکمرانوں میں نظر آتی ہیں جو (ایک وسیع تر معنیٰ میں) ہمارے ائمہ وفقہاء کے زیر اثر تھے... کیا معلوم ہمیں وہ

کمیاں بھول جائیں جس دن ہم سے تربیت پانے والے لوگ اقتدار پر پہنچیں، اگر کبھی پہنچیں! کہنے کو ترکی اور تیونس میں اسلام پسندوں کے پاس کیا "اقتدار" نے آکر دکھا نہیں دیا اور ہمیں معلوم نہیں کروادیا کہ 'کہانی' تو اس کے بعد شروع ہوتی ہے!؟ (مصر کی بات چلیں نہیں کرتے کیونکہ وہاں اقتدار میں آتے ہی ہمارے ساتھ زبردستی ہوگئی تھی، نیز اپنے صوبۂ سرحد پر گزرنے والا ایک پنج سالہ بابرکت عہد بھی فی الحال زیر بحث نہیں لاتے تاکہ بات کسی اور طرف نہ چلی جائے)... تو کیا "مجبوریوں اور نارسائیوں" کی وہ ایک لمبی فہرست جو کم از کم ترکی اور تیونس میں "اسلام" کی جلدی کرنے والوں کے لیے ہمارے پاس تیار حالت میں موجود رہی ہے، یہ بتانے کے لیے کافی نہیں کہ "اقتدار" سے بڑھ کر بھی یہاں بہت کچھ دیکھنے اور کرنے اور پریشان ہونے کا ہے!؟ یہ "اقتدار سے بڑھ کر" جو چیز ہے اسے ہم اصلاح کہتے ہیں جو "نفس" اور "منہج" کی ایک استعداد کا نام ہے، یا ایک مخصوص "معاشرتی" اپروچ یا اہلیت یا ذہنیت یا اندازِ سرگرمی کہہ لیجیے، جو اقتدار کے بغیر بھی باطل کے بہت سے قلعے ڈھالیتا ہے اور مقاصدِ حق کے ایک بڑے حصے کو "اس دوران" بھی زنگ آلود ہونے نہیں دیتا۔ اور جس کے آپ کے یہاں معدوم یا ناتواں ہونے کی صورت میں اقتدار پاکر بھی آپ اسلام کے حق میں کالمعدوم رہتے ہیں۔ ہاں اس "اپروچ" یا "اہلیت" یا "اندازِ سرگرمی" کے ہوتے ہوئے اگر کسی وقت اللہ آپ کو اقتدار دے دے تو وہ اسلام کے سماجی مقاصد کو بہت ہی اعلیٰ سطح پر حاصل کرانے لگتا ہے۔ ورنہ خالی آپ پھر بھی نہیں رہتے۔ أصابها وابلٌ فآتت أُكُلَها ضِعفين، فإن لم يُصِبْها وابلٌ فطلّ۔ اس شے کا بندوبست کرنے کی ہی اس وقت سب سے بڑھ کر فکر کرنی چاہیے، میری رائے میں۔

"اقتدار پالینے" کی صورت میں آپ معاشرے کو کیا دے سکیں گے، اس کا اندازہ کرنا خاصا آسان ہے— اور یہ آئینہ ہر دم آپ کے سامنے دھرا ہے—اور وہ یہ کہ "اقتدار کے بغیر" آپ معاشرے کو کیا دے سکے ہیں اور اپنے مقاصدِ حق کے ساتھ اس کی رگوں میں کتنا سرایت کر سکے اور اس کے وجود کا سب سے زیادہ ارتعاش

انگیز the most vibrant حصہ اپنے آپ کو کہاں تک ثابت کر سکے ہیں۔

ایک بھاری "اکثریت" کو اسلام کے مقاصد کی شاہ راہ پر اپنے پیچھے آپ کس کامیابی سے چلا اور دوڑا سکیں گے، خود اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ایک زیرک، بیدار، فعّال، باصلاحیت، باتدبیر، پیش بند، سبک رفتار "قلیل" کے طور پر اپنے ان مقاصدِ حق کے معاملہ میں وہاں آپ کتنا کامیاب کھیل پائے ہیں۔ ایک ایسی چیز، جس کے حوالہ سے معاملہ اس وقت دگرگوں ہے۔ پس میرا مشورہ تو یہی ہے کہ "اکثریت" پر نظر ٹکانے کی بجائے آپ کسی ایسے "قلیل" کا انتظام کر لائیے جو معاشرے پر اثرانداز ہونے کے فن میں طاق ہو۔ ہمارے بہت سے رکے ہوئے کام ان شاءاللہ تب بھی کسی نہ کسی سطح پر ہونے لگیں گے اور "اسلام" کم از کم آپ کو میدان میں ضرور نظر آنے لگے گا، جو کہ فی الوقت ڈھونڈنا پڑ رہا ہے۔ "اصلاح" اگر نفس اور منہج کی ایک استعداد کا نام ہے... تو "اقتدار" اور نہ "عدم اقتدار" کوئی ایسی صورتحال نہیں جس میں یہ اپنا آپ نہ بتائے۔ ہو، تو یہ ضرور بولتی ہے۔ یہ ہر موسم میں پھل دینے والا شجر ہے؛ اور اس کے لیے کوئی پت جھڑ نہیں۔

تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا۔

8

دینداروں کے معاشرے میں آگے بڑھنے کو، جمہوریت واحد راستہ نہیں

سوال 3:

ایسے حالات میں کہ جب دستیاب ٹول کے علاوہ ہر تبدیلی کی مسلح کوشش ناکام ہو چکی ہے، ہم اس دستیاب گنجائش کو بھی مکمل رد کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر رہیں کہ کوئی مسیحا آئے گا، اور اتنے میں دوسری قوتیں ہمیں مزید پستی میں

گراتی چلی جائیں؟

کیا اسلاف کو ٹھیک اسی طرح کے حالات پیش آتے تو وہ اپنے وقت اور حالات کی دستیابی گنجائش کے مطابق کوئی نئی تعبیر حرام سمجھتے، جسکا نتیجہ مزید گہرے شر کی صورت میں نکلتا؟

کیا کسی عہد کا فقیہ اپنے دور کی دستیاب گنجائش کے مطابق پوری دیانت داری سے اگر کوئی قابل عمل حل پیش کرے جس پر عمل کے نتیجے میں بتدریج اسلامی نظام کی جانب سفر شروع ہو جائے تو وہ حرام کے ضمرے میں شمار کیا جائے گا؟

جبکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب ترکی میں مسلسل کوشش کے ذریعے سے مزاحم قوتوں کو کسی حد تک نیوٹلائز کیا گیا ہے اور پستی سے بہتری کی جانب گنجائش نکلنی شروع ہو گئی ہے، ایسا کوئی بھی طریقہ کار ہمارے ہاں بالکل فاسد خیال کہلائے گا؟

جواب:

تبدیلی کی کسی مخصوص "کوشش" کو رد کرنا کسی وقت اصولی معنٰی میں ہوتا ہے اور کسی وقت اسے مؤثر نہ جاننے کے معنٰی میں۔

جہاں تک تو ہے تبدیلی کی فی زمانہ کوئی "مسلح کوشش"، خصوصاً ایک مستحکم established معاشرے میں... تو اس کو ہم ہر دو بنیاد پر رد کر چکے، یعنی اس کی اصولی حیثیت میں بھی اور اسے مؤثر نہ جاننے کے معنٰی میں بھی۔

رہ گئی تبدیلی کی وہ صورت جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں (دعوت کے ذریعے اکثریت کو اپنا ہم نوا کرنا اور پھر اس "اکثریت کے ووٹ" کے ذریعے سے اسلام کی حکومت لے آنا)، تو اس کی اصولی گنجائش—اندریں حالات—ہم نے بے شک تسلیم کی ہے... تاہم اس کا "مؤثر" ہونا فی الحال ایک تھیسس ہے، مسلّمہ نہیں ہے۔ اسے "تھیسس" ماننے کا مطلب: ہو سکتا ہے یہ کام دے، ہو سکتا ہے کام نہ دے۔ سٹیٹس اس کا آج کی تاریخ تک ہے یہی۔ کہیں پر اسلام آ جانے کا واقعہ اس راہ سے ہوا ابھی تک نہیں ہے۔ ترکی، تیونس اور مصر میں

تھوڑی پیش رفت اسلام "کی طرف کو "جمہوریت کی راہ سے ہوئی ہے تو نوّے کی دہائی میں اس سے زیادہ پیش رفت اسلام "کی طرف کو "افغانستان میں ہو گئی تھی، جبکہ جمہوریت کا راستہ وہاں نہیں چلا گیا تھا۔اب بھی کہہ نہیں سکتے معاملہ وہاں کس کروٹ بیٹھ جائے۔تاریخ میں تھوڑا پیچھے چلے جائیں تو "کام دینے "کے حوالے سے کئی ماڈل اور بھی ہیں:

1. ایک مرابطین کا ماڈل جو ایک دور افتادہ قبائلی قسم کا ماحول ("ریاست " کے معنٰی میں ایک خلا) میسر آنے کی وجہ سے خاصا کار گر رہا تھا۔["المرابطون "نامی، شیخ عبداللہ بن یاسینؒ (متوفی 451 ہجری، 1059 عیسوی) کا قائم کردہ سلسلۂ تعلیم و ارشاد جو ایک بڑی ایمپائر پر منتج ہوا، جس کے ایک امیر یوسف بن تاشفینؒ نے بعد ازاں یورپ کے ایک فرعون الفانسو کو شکست دے کر اندلس سے صلیبی خطرے کو کئی صدیوں تک کے لیے پیچھے دھکیلا۔ یہ صرف سات بندوں سے شروع ہونے والی ایک تحریک تھی، جو شمال مغربی افریقہ میں مسلمانوں کے مابین پھیلتے چلے جانے والے ارتداد سے لوگوں کو تائب کروانے اور حیاتِ اجتماعی میں شریعت کی بحالی کے لیے اٹھائی گئی، ایک زمانے تک دعوت کی صعوبتیں جھیلتی رہی، ایک عرصہ صحرا میں پناہ لینا پڑی، آخر قبائل کو زیر کرتے کرتے ایک مضبوط دولت قائم کر لی، اقتدار میں آکر شریعت کو ایک بہت اچھی سطح پر قائم کر کے رہی، اور کچھ اللہ والے اس کے حکمران رہے]۔
2. دوسرا اصلاح الدین ایوبیؒ (متوفی 589 ہجری، 1193 عیسوی) کا ماڈل [جس میں، اللہ کے اس نیک بندے نے رافضی حکومت کا اعلیٰ عہدہ (وزارت) قبول کر کے، اور پھر اس عہدہ کی بدولت ملنے والے اختیارات سے کام لیتے ہوئے معاشرے کو عدل و انصاف دے کر، اقتدار میں رہنے کے دوران لوگوں کی ذہن سازی کر کے، مساجد کا کردار مضبوط کر کے، رفتہ رفتہ گندے عناصر کو

صاف اور اچھے لوگوں کو اوپر لا کر، اور اپنی پوزیشن مستحکم کر کے، ایک مناسب وقت پر رافضی خلیفہ "العاضد" کا بستر گول کر دیا، یوں ڈھائی سو سال سے چلی آتی باطنی عبیدی المعروف فاطمی دولت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے مصر کو کامل دارُالسنّۃ بنا دیا]۔

3. تیسرا ماڈل محمد بن عبدالوہابؒ (متوفی 1206 ہجری، 1791 عیسوی) کا ہے۔ [عقیدہ و عمل کو درست کرنے کی دعوت پر کھڑی یہ تحریک بڑے سالوں تک شدید مخالفت کا سامنا کرتی رہی۔ اس کا صبر و استقامت دیکھ کر، معاشرے کے قلیل اچھے اچھے دماغ اس کے معتقد ہوتے چلے گئے۔ انہی معتقدین میں سے ایک جہاندیدہ خاتون، کہ ایک علاقہ کے بادشاہ کی بیوی تھی، اپنے شوہر کو قائل کرنے میں کامیاب رہی کہ دین کو قائم کرنے اور نسلوں کی دعائیں لینے کا یہ موقع اپنے نام کر لے۔ جس پر بادشاہ حضرت کی دست بوسی کو حاضر ہوا، نصرتِ توحید اور اقامتِ شرع پر دونوں کی بیعت ہوئی اور ایک شدید پابندِ شریعت حکومت دنیا کو ایک بڑا عرصہ دیکھنے کو ملی]۔

4. اس کے علاوہ بھی، تبدیلی کے بہت سارے ماڈل جنہوں نے وقتاً فوقتاً کام دیا، مزید نشان زد ہو سکتے ہیں۔ خود عمر بن عبدالعزیزؒ والا ماڈل یوں بنتا ہے کہ "اموی اقتدار" کا حصہ رہتے ہوئے اوپر آتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک وقت پر، کہ جب صاحبِ اقتدار پر نزع کا عالم تھا اور وہ اپنی آخرت کے لیے فکر مند، "سلیکشن" کا قرعہ اس اللہ کے ولی کے نام نکل آیا۔

مقصد یہ کہ "تبدیلی" کے معاملہ کو کسی ایک ہی صورت میں محصور کرنا، اور اس کے ماسوا امکانات کو قطعی رد کرنا، کسی قدر دھکا ہو گا۔ جبکہ بعض گروپوں کا حال، "اسلامی حکومت قائم کرنے" کی کسی ایک مخصوص صورت کو "منصوص" قسم کی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ کچھ تو یہاں تک کہہ گئے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے نماز کا صرف حکم نہیں دیا بلکہ پڑھ کر دکھائی اور امت پر "اس طریقے سے ہی" پڑھنا واجب کیا،

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اسلامی حکومت کا صرف حکم نہیں دیا بلکہ قائم کر کے دکھائی اور امت پر "اس طریقے سے ہی" قائم کرنا واجب فرما رکھا ہے!

چنانچہ یہ ضروری ہے کہ میں اس سلسلہ میں اپنی پوری پوزیشن واضح کر دوں:

1. "اکثریت کے ووٹ" کے ذریعے ملک میں اسلام لے آنے کا طریقہ کئی ملکوں میں آزمایا گیا ہے۔ ایک "دستیاب موقع کو لینے" کے طور پر اصولاً اس میں حرج نہیں، یہ ہم بارہا کہہ چکے۔ یعنی جائز/ناجائز کا مسئلہ یہاں نہیں ہے، اہل علم کی ایک معتد بہ تعداد ایسی کوئی کوشش کر لینے کو اصولاً جائز کہہ چکی ہے۔ اور یہی رائے مجھ طالب علم کی نظر میں قوی تر۔
2. اوپر جو بات ہوئی، وہ البتہ صرف اس کے اصولی جواز کے متعلق ہے۔ رہ گیا یہ کہ "اکثریت کے ووٹ" کے ذریعے کیا واقعتاً اسلام لے آنے کی یہاں کوئی صورت ہے؟ تو اس پر خاصا کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ آگے چلنے سے پہلے واضح ہو جائے، یہاں دو چیزیں ہیں: ایک، "اکثریت کے ووٹ" کی راہ۔ دوسری، اس راہ سے "اسلام لے آنا"۔ بہت ملکوں میں جہاں یہ راہ چلی گئی اور کچھ معاملہ آگے بڑھا، وہاں اس کے دوسرے حصے میں ان کو ایک ترمیم کر دینا پڑی ہے۔ یعنی "اکثریت کے ووٹ کی راہ" پر تو وہ چلے جا رہے ہیں، البتہ اس راہ سے "ملک میں اسلام لانا" اب پیچھے ہٹا دیا گیا ہے۔ بلکہ "اسلام" کا لفظ ہی اب باقی نہیں رہنے دیا گیا۔ "اسلام" کی جگہ ان کے یہاں "انصاف"، "ترقی"، "معاشی استحکام" اور "ریاستی اصلاح" وغیرہ مقاصد نے لے لی ہے۔ ہمارے خیال میں، ان کے ایسا کرنے کی وجہ نرے وہاں کے "ریاستی قوانین" نہیں بلکہ ایک سٹرٹیجی کے طور پر بھی یہ ان کے ہاں اختیار کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ انتخابی اکھاڑے میں موجود کچھ زیادہ 'بنیاد پرست' پارٹیوں (مانند سعادت پارٹی، ترکی) کے مقابلے پر اپنی بھاری انتخابی کامیابی کو

اپنی اس سٹرٹیجی کا نتیجہ بھی ٹھہرایا جارہا ہے۔ یہاں سے؛ ایک بہت اہم نکتہ میں اپنے قاری کے ذہن نشین کرواناچاہتاہوں:

3. "انتخابی راستے" کو "اسلامی انقلاب" کا طریقہ اور راستہ کہنا میرے خیال میں خاصا غیر حقیقی ہے۔ اس (انتخابی) راستے نے جہاں تھوڑا سا بھی کام دیا، وہاں "اسلام" اور "اسلامی انقلاب" کو پیچھے ہی کرلیناپڑا، جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ یعنی یہ تو صحیح ہے کہ اس (انتخابی) راستے نے اسلامیوں کو ان کے دینی مقاصد کے حوالے سے "کچھ فائدہ" دیا۔ لیکن "اسلامی انقلاب"...؟ تو وہ اقتدار پالینے کے بعد بھی ایک بہت ہی دور کی چیز ہے۔ اتنی دور کی کہ فی الحال تو بولنے میں بھی نہیں آسکتی! رہی "خلافتِ راشدہ" طرز کی دین کی حکمرانی (کہ جہاں قرآن بجائے خود آئین ہو) تو وہ اس سے بھی کہیں دور کی ایک چیز۔

4. جب "اسلام لانے" کا معاملہ اس راستے میں اتنی دور کی ایک چیز ہے، تو اس کے لیے صحیح تر الفاظ میری نظر میں یہ نہیں کہ "اسلام کی حکومت لانے کے لیے انتخابی راہ چلی جائے" بلکہ صحیح تر الفاظ یہ ہوں گے کہ "کوئی ممکنہ بہتری لانے کے لیے محنت کے دیگر محوروں کے ساتھ ساتھ انتخابی راستہ بھی جس قدر مقدور ہو چل لیا جائے"۔ یہ ایک زیادہ حقیقت پر مبنی اور نعرے لگانے والوں کا جذباتی استحصال نہ کرنے والی تعبیر phrasing ہو گی، میری نگاہ میں۔ یہ خط کشیدہ الفاظ براہِ کرم پیش نظر رہیں۔

5. یہاں سے؛ ہمارے ائمہ و مشائخ کا ایک منہجی پوائنٹ ثابت ہوا اور وہ یہ کہ: اسلام کے لیے ہماری اجتماعی محنت وجدوجہد کا عنوان "اسلامی انقلاب" یا "اسلامی حکومت کا قیام" نہیں بلکہ قرآن میں شعیب علیہ السلام کی زبان پر کہلوائے گئے الفاظ: "الإصلاحَ ما استطعت" ہے۔ یعنی ایک دی

ہوئی صورتحال میں in a given situation معاملے کو اسلام کے حق میں جتنا ٹھیک کیا جا سکتا ہے بس اتنا ٹھیک کر جانا [جو کسی صورتحال میں "اسلامی حکومت کے قیام" سے بہت کم کوئی چیز ہو سکتی ہے اور کسی صورتحال میں اس سے بھی بہت زیادہ کوئی چیز۔ (حالات حالات کے فرق سے، ایک بڑی variation۔ اس کی وضاحت ان شاءاللہ کسی اور موقع پر)]۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں، عمل کے میدان میں یہاں جس نے بھی کوئی پیش رفت کی وہ عملاً اسی اصول پر آیا کہ کسی صورتحال میں اسلام کے جس قدر مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہوں اور شر کے جس قدر آڑے آیا جا سکتا ہو، بس اسی "قدر" کی فکر کی جائے اور اسی کو اپنی جدوجہد کا محور رکھا جائے۔ آپ کے اس عمل اور کوشش سے کل کو جو صورتحال ہو گی، اور جو کہ آج سے بہتر بھی ہو سکتی ہے اور بدتر بھی، اس پر کل دیکھا جائے گا۔ اور اس سے اگلی کل کے اجتماعی فرائض کا نقشہ؟ جب وہ اگلی کل آئے گی۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ البتہ مسلم اجتماعی جدوجہد کے لیے "الإصلاحَ ما استطعت" کے سوا کوئی مطلق عنوان نہ آج ہے اور نہ کل۔ اس منہج پر آ جانے سے آپ کا کارکن "اسلامی انقلاب" وغیرہ کے لیے، جب وہ دُور دُور اس کا کوئی نام و نشان نہیں دیکھتا جبکہ اپنی سب جدوجہد وہ اسی عنوان سے اور اسی ہدف کے تحت کرتا اور صبح شام اسی کی آس میں لگا رکھا جاتا ہے، فرسٹریشن کا شکار نہیں ہوتا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ وہ اپنی تگ و تاز کے لیے ان اہداف پر نگاہ ٹکاتا ہے جنہیں وہ ایک دی گئی صورتحال میں واقعتاً حاصل کر سکتا ہے۔ جس سے؛ فاعلیت efficiency اس کی دوچند ہو جاتی ہے۔ نیز آپ کی پریزنٹیشن کی مصداقیت credibility اس کے ہاں بڑھ جاتی ہے۔

6. اب اگر یہ طے ہو گیا ہے کہ اجتماعی محنت کا اصل محور "اسلامی انقلاب" نہیں بلکہ "الإصلاحَ ما استطعت" ہے، اور خود انتخابی راستے میں کچھ پیش رفت کر لینے والے اصحاب بھی [عملاً] اسی

محور پر چل رہے ہیں... تو ہم کہتے ہیں معاشرے میں اصلاح (صورتحال کو اسلام کے حق میں بہتر سے بہتر کرنے) کے جو کئی ایک میدان ہمیں میسر ہیں ان میں سے ایک یہ کہ: انتخابی راستے سے "بھی" جو مکاسب gains اسلام کے لیے حاصل کیے جا سکتے ہوں، کر لیے جائیں۔ زور البتہ سب میدانوں میں لگایا جائے، بایں طور کہ جس میدان میں [صورتحال کو اسلام کے حق میں بہتر کرنے] کا پوٹنشل potential زیادہ ہو، یا کسی وجہ سے وہ ہماری دسترس میں زیادہ ہو، اس پر فوکس اتنا ہی زیادہ ہو، اور کسی دوسرے میدان میں ہمارا زیادہ الجھا engaged رہنا اس سے غافل رہنے کے حق میں ہماری 'دلیل' یا ہمارا 'عذر' ہرگز نہ ہو۔ خاص اس پہلو سے بات کروں، تو دیگر ملکوں میں جو صورتحال ہو گی وہ تو وہاں دیکھی جائے گی، ہمارے یہاں سماجی شعبوں میں دین داروں کے آگے بڑھنے کو (دعوت والے شعبے کے بعد) میں سب سے مقدم رکھوں گا۔ انتخابی سیاست کے راستہ سے "یہاں" زیادہ امیدیں لگوانا میرے نزدیک بوجوہ درست نہیں۔ خود سیاسی عمل میں ہی، اس سے زیادہ مؤثر راہ—اندریں حالات—میری نظر میں "لابنگ" lobbying ہو سکتی ہے جسے اس وقت بالکلیہ ترک کر رکھا گیا ہے۔ ("پورے" کی طلب میں "تھوڑے" کو کوئی چیز نہ جاننا یہاں ایک ایسی ذہنیت mentality ہے جس نے ہمارا ستیاناس کر دیا اور کچھ سہل الحصول اہداف سے ہم کو بیگانہ ہی کر کے رکھ دیا، حالانکہ وہ "تھوڑا تھوڑا" جمع ہوتا چلا جائے تو کسی وقت "بہت" ہو سکتا ہے، لیکن ڈبویا ہم کو "سارے" نے جو ہمیں "خالی" رکھنے کی ایک مؤثر ریسیپی recipe چلی آئی ہے!) اس وجہ سے میں کہوں گا، آپ کی اجتماعی محنت اور جدوجہد کا محور "اسلامی انقلاب" ہے یا "الإصلاحَ ما استطعت"؟ یہ محض لفظی فرق نہیں، بلکہ اپروچ کا ایک بہت بڑا فرق ہے۔ آپ یہ تبدیلی کر کے دیکھیے، بالکل ایک مختلف وِژن—پیش قدمی کے بے شمار

میدانوں کے ساتھ—آپ کے سامنے ہو گا، ان شاءاللہ۔